(1162)

جنوری ۱۹۹۱ء

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول
ڈاکٹر اسرار احمد

اسلامی جمہوری اتحاد" کی نو تشکیل شدہ حکومت کی
اوّلین ذمہ داریاں ـــــ فکر اقبال کی روشنی میں
مرکزیہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام یوم اقبال پر امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

یکے از مطبوعات
تنظیم اسلامی

ترجمہ قرآن کی تحریک رُوبہ زوال

اب ترجمہ قرآن کریم کی یہ تحریک روبہ زوال ہورہی ہے اور جس تحریک نے مسلمانوں کے اندر عقائدحقہ پیدا کرنے میں بڑا اہم رول ادا کیا وہ سلسلہ تعلیم و تبلیغ آہستہ آہستہ ختم ہورہا ہے۔ اور اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ جماعت ولی اللہی کا ایک بڑا طبقہ اس تحریک سے دلچسپی لینے کے بجائے اس کی جگہ اردو کتابوں کے مذاکرہ کو اہمیت دے رہا ہے۔ اس طبقہ میں دینی مذاکروں اور دینی اجتماعات کے اندر "درس قرآن" کا کوئی پروگرام نہیں رکھا جاتا بلکہ اُردو کتابوں کی تلاوت کو کافی سمجھا جاتا ہے۔ امام مسجد نماز کے بعد قرآن شریف کی چند آیات پڑھ کر ان کا ترجمہ اور آسان مطلب بیان نہیں کرتا بلکہ فضائل اعمال کی چند حدیثوں کا اُردو ترجمہ پڑھ کر دعا کرا دیتا ہے۔

دینداروں کی زبان پر قرآنِ کریم کا ترجمہ اور تفسیر کا نام نہیں آتا۔ بلکہ چند مخصوص اُردو کتابیں ہیں۔ جن کا اُٹھتے بیٹھتے ذکرِ خیر کیا جاتا ہے۔ آپ کو مساجد میں قرآن کریم کے تراجم و تفاسیر کی کتابیں کم نظر آئیں گی۔ فضائل کی اُردو کتابیں زیادہ نظر آئیں گی۔

حالانکہ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ نے پورے وثوق کے ساتھ لکھا ہے کہ قرآنِ کریم کے ترجمہ کی یہ برکت ہے۔

۱۔ اس کے پڑھنے سے بچوں اور بچیوں اور کم علم لوگوں میں فطری سلامتی قائم رہتی ہے۔ اور خدا تعالیٰ نے پیدائشی طور پر ہر انسان کو جو فطرتِ سلیم عطا فرمائی ہے وہ ماحول کے بُرے اثرات سے محفوظ رہتی ہے

۲۔ اور اگر ماحول کے بُرے اثرات مسلمان کو گناہوں کی طرف کھینچ کر لے جاتے ہیں تو پھر بھی اس ترجمہ کی برکت سے مسلمان کو توبہ کی توفیق نصیب ہوجاتی ہے۔

(نوٹ) مقدمہ فتح الرحمان کے مذکورہ بالا اقتباسات اس قلمی نسخہ سے لیے گئے ہیں جو دارالعلوم دیوبند کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں کہ دین کی دوسری کتابوں کے پڑھنے سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوتا۔ حاصل ہوتا ہے۔ بے شک دین کی ہر کتاب پڑھنے سے فائدہ پہنچتا ہے مگر جو بات کلامِ خداوندی اور اس کے ترجمہ و تشریح کے اندر ملتی ہے وہ دوسری جگہ کہاں ؟

(ماخوذ از "محاسن موضح القرآن")

وَاذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ وَمِيْثَاقَهُ الَّذِىْ وَاثَقَكُمْ بِهٖٓ اِذْ قُلْتُمْ سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا (القرآن)

ترجمہ: اور اپنے اوپر اللہ کے فضل کو اور اس کے اُس میثاق کو یاد رکھو جو اُس نے تم سے لیا جبکہ تم نے اقرار کیا کہ ہم نے سنا اور اطاعت کی

جلد: ۴۰

شمارہ: ۱

جمادی الاخریٰ ۱۴۱۱ھ

جنوری ۱۹۹۱ء

فی شمارہ -/۵

سالانہ زرتعاون -/۵۰

ماہنامہ

میثاق

لاہور

مدیر مسئول

ڈاکٹر اسرار احمد

قرآن اکیڈمی کراچی

23/1/6/36

ادارہ تحریر

شیخ جمیل الرحمٰن

حافظ عاکف سعید

حافظ خالد محمود خضر

SUBSCRIPTION RATES OVERSEAS

U S A US $ 12/=
c/o Dr Khursid A. Malik
SSQ 810 73rd street
Downers Grove I L 60516
Tel : 312 969 6755

c/o Mr. Rashid A. Lodhi
SSQ 14461 Maisano Drive
Sterling Hgts MI 48077
Tel : 313 977 8081

CANADA US $ 12/=
c/o Mr. Anwar H. Qureshi
SSQ 323 Rusholme Rd # 1809
Toronto Ont M6H 2 Z 2
Tel : 416 531 2902

UK & EUROPE US $ 9/=
c/o Mr. Zahur ul Hasan
18 Garfield Rd Enfield
Middlessex EN 34 RP
Tel : 01 805 8732

MID-EAST DR 25/=
c/o Mr. M. Ashraf Faruq
JKQ P.O. Box 27628
Abdu Dhabi
Tel : 479 192

INDIA US $ 6/=
c/o Mr. Hyder M. D. Ghauri
AKQI 4-1-444, 2nd Floor
Bank St Hyderabad 500 001
Tel : 42127

K S A SR 25/=
c/o Mr. M. Rashid Umar
P O. Box 251
Riyadh 11411
Tel : 476 8177

JEDDAH (only) SR 25/=
IFTIKHAR-UD-DIN
Manarah Market,
Hayy-ul-Aziziyah,
JEDDAH.
TEL: 6702180

D.D./Ch. To, Maktaba Markazi Anjuman Khudam ul Quran Lahore.
U B L Model Town Ferozpur Rd Lahore.

مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن لاہور رجسٹرڈ

مقامِ اشاعت: ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰ - فون: ۸۵۶۰۰۳-۸۵۶۰۰۴

سب آفس: ۱۱- داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی - فون: ۲۱۶۵۸۶

پبلشرز: لطف الرحمٰن خان طابع: رشید احمد چودھری مطبع: مکتبہ جدید پریس (پرائیوٹ) لمیٹڈ

مشمولات

❖ **عرضِ احوال** ــــــــــــــــــــ ۳

عاکف سعید

❖ **تذکرہ وتبصرہ** ــــــــــــــــــــ ۷

"اسلامی جمہوری اتحاد" کی نوتشکیل شدہ حکومت کی

اوّلین ذمہ داریاں فکرِ اقبال کی روشنی میں

امیر تنظیم اسلامی کا خطبۂ یومِ اقبال

❖ **الہدیٰ** (قسط ۲۷) ــــــــــــــــــــ ۳۳

سورۃ الصف: جہاد وقتال فی سبیل اللہ کے ضمن میں جامع ترین سورۃ (۵)

ڈاکٹر اسرار احمد

❖ **حسنِ انتخاب** ــــــــــــــــــــ ۴۵

قوموں کا عروج وزوال

قرآن حکیم اور کلامِ اقبال کی روشنی میں

❖ **ارتکابِ گناہ کے اسباب** (۲) ــــــــــــــــــــ ۵۸

ابو عبدالرحمٰن شبیر بن نور

❖ **بحث ونظر** ــــــــــــــــــــ ۶۵

انگریزی زبان میں قرآن کی تبلیغ

جناب اصغر حبیب (جدّہ)

❖ **رفتارِ کار** ــــــــــــــــــــ ۷۰

سرگودھا میں تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام جلسۂ عام

تنظیم اسلامی کراچی کے زیرِ اہتمام ایک روزہ تبلیغی وتعارفی کیمپ

❖ **پریس ریلیز** ــــــــــــــــــــ ۷۷

امیر تنظیم اسلامی کا ۲۸ر دسمبر کا خطابِ جمعہ

[library stamp] 23/1/96 36

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عرضِ احوال

پچھلے شمارے میں تنظیم اسلامی کے سولہویں سالانہ اجتماع کے لئے ۲۲ تا ۲۵ فروری کی تاریخوں کا اعلان قارئین کی نگاہ سے گزرا ہوگا۔ اس بار یہ اجتماع انشاء اللہ العزیز کراچی میں ہوگا۔ تنظیم اسلامی کی مختصر سی تاریخ میں غالباً یہ دوسرا موقع ہوگا کہ اس کا سالانہ اجتماع اس کے 'مولد و مسکن' لاہور کی بجائے کسی دوسرے مقام پر منعقد ہو رہا ہے۔ اس سے قبل ۱۹۸۸ء میں بہاولنگر کے قریب ایک چھوٹی سی بستی طارق آباد میں اس کا انعقاد ہوا تھا۔

یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ تنظیموں کی زندگی میں سالانہ اجتماعات نہایت اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ملک بھر کے رفقاء کا جن کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق کسی دنیاوی غرض سے نہیں ، صرف دین و مذہب اور مقصد و نصب العین کے حوالے سے ہے' کسی ایک جگہ فی اللہ اور للہ جمع ہونا' گزشتہ سال کی کارکردگی پر ایک نگاہِ بازگشت ڈالنا' خدمتِ دین کا جو کام بَن پڑا اس پر اللہ کا شکر بجا لانا اور جن کوششوں میں کوتاہی رہی ان پر اپنے رب سے مغفرت طلب کرتے ہوئے آئندہ کوتاہی نہ کرنے کا عزم مصمم کرنا ، اپنے مقصدِ سفر اور نصب العین کے شعور کا از سرِ نو تازہ کرنا' اور پھر آئندہ کے لئے اِک ولولہ تازہ لے کر اجتماع گاہ سے رخصت ہونا' تنظیمی اعتبار سے مفید اور باعثِ برکت ہی نہیں' ضروری اور ناگزیر بھی ہے ...... اِس اجتماع کا ایک کسی قدر تفصیلی اعلان اس شمارے میں بھی شامل ہے۔

امیر تنظیم اسلامی محترم ڈاکٹر اسرار احمد کی بیرون ملک سفر سے واپسی ۲۹ دسمبر کو ہوگئی تھی۔ حسبِ پروگرام انہوں نے لاس اینجلس (امریکہ) کے مضافات میں واقع اورنج کاؤنٹی کے اسلامک سنٹر میں منعقد ہونے والی انٹرنیشنل سیرت کانفرنس میں شرکت کی۔ کانفرنس کے شرکاء میں پاک و ہند کے مسلمانوں کے علاوہ ایک کثیر تعداد عرب مسلمانوں کی بھی تھی۔ شام کے اجلاس میں جو کانفرنس کا Main Session تھا مرکزی تقریر امیرِ

تنظیم ہی کی تھی۔ اسلامک سنٹر ہی میں دوسرے روز بھی امیر تنظیم کے خطاب پر مشتمل ایک پروگرام ترتیب دیا گیا تھا جہاں خطاب اردو زبان میں ہوا۔ اس کانفرنس کے ذریعے عرب اسکالرز اور بالخصوص دینی جذبہ رکھنے والے عرب نوجوانوں سے قریبی رابطے کا موقع ملا۔ اس سے قبل اِسنا کنونشن میں امیر محترم کی شرکت بھی عرب کمیونٹی سے دو طرفہ تعارف کا ذریعہ ثابت ہوئی تھی۔ امیر تنظیم کے دروسِ قرآن خصوصیت کے ساتھ عرب نوجوانوں کی دلچسپی کا باعث بنتے رہے۔ قرآن حکیم کا اس اندازِ میں درس و بیان ان کے لئے متاثر کن ہی نہیں حیران کن بھی تھا!........ جاتے ہوئے چند روز شکاگو میں قیام بھی امیر تنظیم کے پروگرام میں شامل تھا۔ شکاگو میں قیام حسب سابق محترم ڈاکٹر خورشید ملک صاحب کے ہاں رہا جہاں امیر تنظیم کو رفقاء کے ایک اجتماع میں شرکت کا موقع ملا۔ شکاگو ہی میں محترم ڈاکٹر اشرف طور صاحب نے اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنے دولت کدے پر انجمن خدام القرآن کے ارکان اور تنظیم کے رفقاء کے مشترکہ اجتماع میں امیر تنظیم کے خطاب کا پروگرام ترتیب دیا تھا۔ اس طرح شکاگو میں مقیم قریباً تمام رفقاء و احباب سے ملاقات اور گفتگو کا موقع میسر آیا۔ قیام امریکہ کے دوران امیر تنظیم کا ایک دن سانتا کلارا (سان فرانسسکو) میں بھی گزرا۔ یہاں درس و خطاب کے دو پروگرام ہوئے۔ احباب کے ایک اجتماع میں خطاب رات کو ہوا اور صبح بعد نماز فجر درس قرآن!

امیر تنظیم اسلامی کا امریکہ سے واپسی کا سفر کرۂ ارضی کی دوسری جانب سے ہوا۔ امیر تنظیم کے لئے بحرالکاہل عبور کرنے اور دنیا کے گرد چکر مکمل کرنے کا یہ پہلا موقع تھا۔ واپسی کے سفر میں ملائشیا میں مختصر قیام بھی پروگرام کا حصہ تھا۔ رفیق تنظیم اسلامی محترم نعیم غفور شیخ صاحب وہاں میزبان تھے۔ تین روزہ مختصر قیام کے دوران میں مختلف مقامات پر امیر تنظیم کے خطابات ہوئے۔ خطاب کا ایک پروگرام نومسلموں کی تعلیم و تربیت کے ایک ادارے "ABIM" میں ہوا، دوسرا پروگرام ایک پاکستانی ساتھی کے گھر پر تھا جہاں مردوں اور عورتوں کی ایک اچھی خاصی تعداد نے امیر تنظیم کے خطاب کو سنا۔ اسی طرح احباب میں سے ایک دوست نے کسی ہوٹل میں استقبالیے کا پروگرام ترتیب دیا تھا جس میں امیر محترم کی شرکاء سے گفتگو رہی۔ علاوہ ازیں ملائشیا میں قیام کے پہلے ہی روز ملائشیا ٹیلی وژن کے اسلامی پروگرام کے لئے امیر تنظیم کو دعوت دی گئی جہاں آپ نے پندرہ

پندرہ منٹ کے چھ Chunks ریکارڈ کروائے۔ یہ بلاشبہ ایک بہت مشقت طلب پروگرام تھا جس کا مجموعی دورانیہ چار گھنٹوں پر محیط تھا۔

ملائشیا کے بعد امیر تنظیم کو ڈیڑھ دن کے لئے سنگاپور میں قیام کا بھی موقع ملا۔ یہاں اس مختصر سے وقت ہی میں دروس و خطاب کے تین پروگرام ترتیب پا گئے۔ چنانچہ ایک خطاب تو وہاں کے ایک مشہور دینی مرکز "الجمعیتہ الاسلامیہ" میں ہوا' پھر تبلیغی جماعت کے مقامی مرکز میں بعد نماز فجر درس قرآن کا ایک پروگرام ہوا اور خطاب کا تیسرا پروگرام ایک دوست کے مکان پر ہُوا جہاں بہت سے احباب جمع تھے۔ یہ پروگرام اصلاً خواتین کے لئے تھا جو ایک کثیر تعداد میں وہاں پردے کے پیچھے موجود تھیں۔ امیر تنظیم کی پاکستان واپسی ۲۶ دسمبر کی صبح کو ہوئی اور یوں یہ انتہائی مصروف دورہ بخیر و خوبی اختتام پذیر ہوا۔

امیر تنظیم کے اس مصروف دورے کی روداد نامکمل رہے گی اگر حالیہ سفر میں شامل ان کے تین روزہ قیامِ کراچی اور تین ہی دن پر مشتمل قیامِ پیرس کا ذکر نہ کیا جائے۔ امریکہ جاتے ہوئے کراچی میں تین دن نہایت مصروف گزرے۔ ان تین دنوں میں تنظیمِ کراچی کے ایک ماہانہ اجتماعِ عمومی میں شرکت و خطاب اور ایک اجتماع رفقاء سے خطاب کے علاوہ ایک جلسۂ عام سے خطاب کا پروگرام بھی شامل تھا...... پیرس میں مختصر قیام کے دوران شہر کی مرکزی مسجد میں دو خطابات ہوئے۔ پہلے دن خطاب کا موضوع تھا ' فرائضِ دینی کا جامع تصور ' اور دوسرے روز ' منہجِ انقلابِ نبویؐ ' کا بیان ہوا۔

پاکستان واپس تشریف لا کر امیر تنظیم نے ۲۸ دسمبر کے خطاب جمعہ میں نہایت اختصار کے ساتھ اپنے دورے کے تاثرات سامعین کے سامنے رکھے اور ملکی و بین الاقوامی حالات کا تجزیہ قدرے تفصیل سے پیش کیا۔ سورۃ الروم کی آیت "ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ" کے حوالے سے آپ نے توجہ دلائی کہ دنیا کے طول و عرض میں فتنہ و فساد کے سائے بہت گہرے ہو چکے ہیں' مشرق وسطیٰ کے حالات انتہائی مہیب صورت اختیار کر چکے ہیں' دنیا ایک تیسری عالمگیر جنگ کے دہانے پر ہے' اندرونِ ملک بھی صورت حال کچھ زیادہ قابل اطمینان نظر نہیں آتی اور ہم ہیں کہ خوابِ غفلت سے بیدار ہونے کے لئے کسی طور آمادہ نہیں ہوتے! امیر تنظیم کا یہ خطاب انشاء اللہ العزیز 'ندا' کی ۱۵ جنوری کی اشاعت میں شامل ہوگا۔ سردست اِس خطاب کا پریس ریلیز اسی شمارے میں نذرِ قارئین کیا جا رہا ہے۔

جملہ رفقاء واحبابِ تنظیم مطلع رہیں کہ ان شاء اللہ العزیز اس سال

تنظیم اسلامی کا سالانہ اجتماع

جمعۃ المبارک ۲۲ فروری تا سوموار ۲۵ فروری ۹۱ء دوپہر

قرآن اکیڈمی کراچی

ڈی ایم - ۵۵، خیابانِ راحت، درخشاں فیز VI ڈیفنس ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی میں منعقد ہوگا

● تنظیم کے رفقاء و احباب ۲۲ فروری کو صبح کی گاڑیوں سے لازماً کراچی پہنچ جائیں۔ کراچی چھاؤنی ریلوے سٹیشن پر ۲۲ فروری کو صبح سے بعد دوپہر تک استقبالیہ کیمپ قائم رہے گا اور اجتماع گاہ تک جانے کے لیے ٹرانسپورٹ کا انتظام ہوگا۔ بعد میں آنے والے حضرات کو خود قرآن اکیڈمی پہنچنا ہوگا جو کہ کافی مشکل ہے ● بیرون پاکستان سے آنے والے حضرات کا ہم کراچی ایئرپورٹ پر استقبال کریں گے وہ اپنی آمد (فلائٹ نمبر اور شیڈول ٹائم) سے ناظم اجتماع کو لازماً قبل از وقت مطلع کریں ● مقامی امراء اور منفرد رفقاء اپنی آمد روانگی کے پروگرام اور شرکاء کی متوقع تعداد سے ناظمِ اجتماع **سید محمد نسیم الدین صاحب** امیر تنظیم اسلامی کراچی کو دفتر تنظیم اسلامی کراچی ۱۱۔ داؤد منزل نزد آرام باغ شاہراہ لیاقت کراچی کے پتہ پر یکم فروری ۹۱ء سے قبل مطلع فرمائیں۔

مزید برآں

سالانہ اجتماع سے متصلاً قبل ۱۵ فروری بعد دوپہر تا ۲۱ فروری ۹۱ء شام قرآن اکیڈمی کراچی ہی میں رفقائے تنظیم کے لیے ایک تربیت گاہ منعقد ہوگی۔

- مبتدی رفقاء کی زیادہ سے زیادہ تعداد کو اس میں شرکت کرنی چاہیے۔
- بالخصوص بیرون پاکستان تنظیموں کے امراء اور رفقاء شرکت کی بھرپور کوشش کریں۔
- متوقع شرکاء اپنے پروگرام سے ناظم اجتماع کو ۲۱ جنوری سے قبل مطلع فرمائیں۔
- ۱۵ فروری صبح تا بعد دوپہر کراچی چھاؤنی اسٹیشن پر استقبالیہ کیمپ قائم رہے گا۔

نوٹ: شرکاء اجتماع اپنی ضرورت کی اشیاء مثلاً مناسب بستر، پلیٹ، کپ وغیرہ ہمراہ لائیں گے۔ اجتماع گاہ چونکہ سمندر کے قریب ہے لہٰذا ہلکی خنکی متوقع ہوگی۔

المعلن: **ڈاکٹر عبدالخالق، ناظمِ اعلیٰ تنظیمِ اسلامی، پاکستان**

تذکرہ وتبصرہ

"اسلامی جمہوری اتحاد" کی نو تشکیل شدہ حکومت کی اوّلین ذمّہ داریاں

فکرِ اقبال کی روشنی میں

مرکزیہ مجلس اقبال کے زیر اہتمام یوم اقبال کی تقریب سے امیر تنظیم اسلامی کا خطاب

وطن عزیز اور مملکتِ خداداد پاکستان میں سیاست اور حکومت کی سطح پر جو عظیم تبدیلی حال ہی میں رونما ہوئی ہے میرے نزدیک اس کا اہم ترین پہلو یہ ہے کہ اس کے نتیجے میں ہمیں اس ملک کے قیام کے اصل مقصد یعنی اسلامی اقدار حیات کی ترویج اور ان کے نفاذ کے لئے چوالیس سالوں میں تیسری بار ایک سنہری موقع عطا ہوا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ جس طرح پاکستان کا قیام اجتماعیاتِ انسانی کے ایک معجزے کی حیثیت رکھتا ہے اسی طرح اس وقت یہ عظیم الشان تبدیلی بھی کسی طرح ایک معجزے سے کم نظر نہیں آتی۔ یہ واقعتاً ایک بڑی محیرا لعقول تبدیلی ہے جس پر اچھے اچھے سکتے کی حالت میں ہیں۔ پی ڈی اے کے نقاب تلے پیپلز پارٹی کی شکست اور آئی جے آئی کے نقاب تلے قائد اعظم اور علامہ اقبال کی مسلم لیگ کی عظیم الشان فتح خود فریقین کے لئے بھی حیران کن ہے اور پوری دنیا میں بھی اس پر حیرت و استعجاب کا اظہار ہو رہا ہے۔ لیکن اس کے ساتھ ہی ہماری نو منتخب قیادت کو یہ بات اچھی طرح ذہن نشین کر لینی چاہئے کہ یہ تبدیلی اب اُن کے لئے ایک بہت بڑی ذمہ داری اور امتحان کا ذریعہ ہے۔ یہ بات ہمیں قرآن حکیم کے مطالعے سے معلوم ہوتی ہے کہ کوئی جماعت جو مظلوم و مقہور اور مجبور و مستضعف ہو اور پھر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت و حکمت کے تحت اسے غالب کر دے اور حکومت و اختیار سے نواز دے تو یہ اچانک تبدیلی اس قوم کے لئے ایک اضافی آزمائش کا سبب بن جایا کرتی ہے۔

فرعون کے ظلم و استبداد تلے دبی ہوئی قوم بنی اسرائیل نے جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے سامنے اس جور و ستم کی فریاد کی تو آپؑ نے فرمایا:

عَسٰى رَبُّكُمْ اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ وَيَسْتَخْلِفَكُمْ فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ؏
(الاعراف: ۱۲۹)

"کچھ بعید نہیں کہ تمہارا رب تمہارے دشمنوں کو ہلاک کر ڈالے اور تمہیں زمین میں غلبہ عطا فرمادے' پھر دیکھے کہ تم کیا کرتے ہو!"

مغلوبیت کی حالت میں تو انسان کہتا رہتا ہے کہ اگر ہمارے پاس طاقت ہو' اختیار ہو تو ہم یہ کر دیں' وہ کر دیں ـــــ لیکن اس کی اصل آزمائش اسی وقت ہوتی ہے جب بالفعل اسے غلبہ و اختیار حاصل ہو جائے۔ یہی مضمون سورۂ یونس میں بایں الفاظ وارد ہوا ہے:

ثُمَّ جَعَلْنٰكُمْ خَلٰٓئِفَ فِى الْاَرْضِ مِنْۢ بَعْدِهِمْ لِنَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ ؏ (یونس: ۱۴)

"پھر ان کے بعد ہم نے تمہیں زمین میں خلافت عطا فرمائی تاکہ ہم دیکھیں کہ (اب) تم کیا کرتے ہو!"

ان آیات مبارکہ کا انطباق پوری طرح ہمارے موجودہ ملکی حالات پر ہوتا ہے۔ اس وقت پیپلز پارٹی "اَنْ يُّهْلِكَ عَدُوَّكُمْ" کے الہامی الفاظ کا مصداقِ کامل بنتی نظر آ رہی ہے اور اس صدمے سے اس کا جانبر ہونا آسان نہیں ہے۔ دوسری طرف یہ مسلم لیگ کے لئے ایک بہت بڑی آزمائش ہے جس کے قائدین نے اسلام کے حوالے سے سیاسی تحریک چلائی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ ان کے ہاتھوں نفاذِ اسلام کے کام میں عملاً کیا پیش رفت ہوتی ہے۔ اگر ہمارے موجودہ حکمران اس مقصد میں ناکام ہوگئے تو عین ممکن ہے کہ سیاسی اعتبار سے دم توڑتی ہوئی پیپلز پارٹی پھر سے اٹھ کھڑی ہو اور اپنے نعرے اور منشور کے ساتھ دوبارہ سامنے آجائے۔ اور ہو سکتا ہے کہ یہ ایک خداداد موقع جو ہمیں اب ملا ہے چوتھی بار نہ مل سکے۔ اس سے پہلے نفاذ اسلام کے جو دو مواقع ہمیں حاصل ہوئے تھے وہ ہم نے ضائع کر دیئے' یا یوں کہہ لیجئے کہ مختلف اسباب کی بنا پر ہمارے ہاتھوں سے نکل گئے' لیکن اُن اسباب کی تفصیل میں جانے کا یہ موقع نہیں ہے۔

نفاذِ اسلام کا تیسرا سنہری موقع!

پہلا موقع ہمیں اللہ تعالیٰ نے اُس وقت عطا فرمایا تھا جب پاکستان ایک خالص معجزے

کی صورت میں ابھی قائم ہوا ہی تھا۔ معجزہ اس لئے کہ خود قائداعظم کیبنٹ مشن پلان پر دستخط کر کے گویا ایک آزاد اور خود مختار پاکستان کے مطالبے سے تقریباً دستبردار ہو چکے تھے، اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے اس ملک کو ظہور بخشا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد عوام میں بے پناہ جوش و خروش اور جذبہ موجود تھا' فقہی اور فرقہ وارانہ اختلافات بالکل پس منظر میں جا چکے تھے' قوم ایک بنیان مرصوص بن چکی تھی اور تعمیرِ نو کا ایک جذبہ ہر قلب میں موجزن تھا۔ اُس وقت اگر کوئی فیصلہ کن قدم اٹھا دیا جاتا تو کوئی قوت راستے کی رکاوٹ بننے والی نہیں تھی' مگر افسوس کہ ہم نے اس موقع کو ضائع کیا اور اسلام کی طرف کوئی پیش رفت نہ کی۔ ربع صدی کی طویل مہلتِ عمل کے بعد آخر ۱۹۷۱ء میں عذابِ الٰہی کا کوڑا جس شدت سے ہماری پیٹھ پر برسا اس کی یاد بھی سوہانِ روح ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ عالمِ اسباب میں پاکستان ٹوٹنے کی وجوہات کچھ بھی ہوں' درحقیقت یہ سورۃ السجدہ کی آیت " وَلَنُذِيقَنَّهُم مِّنَ الْعَذَابِ الْأَدْنَىٰ دُونَ الْعَذَابِ الْأَكْبَرِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ۔ (ہم لازماً انہیں مزہ چکھائیں گے چھوٹے عذاب کا بڑے عذاب سے پہلے' شاید کہ یہ لوٹ آئیں!) کے مصداق ربِ ذوالجلال کی طرف سے 'چھوٹے عذاب' کا ایک نمونہ تھا کہ شاید یہ قوم اپنی روش سے باز آئے اور اسے اپنا بھولا ہوا سبق یاد آ جائے کہ ع کبھی بھولی ہوئی منزل بھی یاد آتی ہے راہی کو! لیکن افسوس کہ ہم نے اس عظیم سانحے سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا۔

اس ضمن میں دوسرا سنہری موقع ہمیں ۱۹۷۷ء میں عطا ہوا تھا جب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے ان حالات میں اقتدار سنبھالا کہ عوام کے سینوں میں 'تحریک نظامِ مصطفیٰ' کی حرارت پوری شدت کے ساتھ موجود تھی اور وہ نظامِ مصطفیٰ (علیٰ صاحبہ الصلوٰۃ والسلام) کو اپنانے کے لئے پورے طور پر آمادہ بلکہ دل و جان سے بے قرار تھے مگر اپنی کوتاہیوں سے ہم نے وہ موقع بھی ضائع کر دیا۔ اسلامائزیشن کی جانب کچھ جزوی سی پیشقدمی اس وقت شروع کی گئی جب تحریک نظامِ مصطفیٰ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے جذبات امتدادِ زمانہ کے باعث سرد پڑ چکے تھے۔ چنانچہ اُس وقت اسلامی نظام کے نفاذ کی طرف کوئی مؤثر عملی پیش رفت نہ کی جا سکی' اگرچہ حکمران طبقے کی طرف سے اسلام اور اسلامائزیشن کا نام جتنا اس دور میں لیا گیا اس کی کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ ضیاء الحق صاحب تحریک نظامِ مصطفیٰ کے نتیجے میں پیدا ہونے والے قومی جوش و خروش سے فائدہ نہ

اٹھا سکے اور گیارہ برس تک سوائے اسلام اسلام پکارنے یا نیم دلی سے چند برائے نام اقدامات کرنے کے اور کچھ نہ کر سکے!

اب یہ تیسرا سنہری موقع ہے جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں عطا فرمایا ہے۔ اور میں یہ عرض کرنے پر خود کو مجبور پاتا ہوں کہ اگر ہم نے خدانخواستہ یہ موقع بھی ضائع کر دیا تو ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ پھر ہمیں کوئی اور موقع نہ دے۔ ۱۹۷۱ء کے سانحہ کو انیس برس بیت چکے ہیں اور اگر موجودہ حکمرانوں نے بھی اپنے پانچ سال ع "اب کے بھی دن بہار کے یونہی گزر گئے" کے مصداق یونہی ضائع کر دیئے اور اپنا نفاذِ اسلام کا وعدہ پورا نہ کیا تو دوسرے چوبیس برس گزر جانے کے بعد شاید وہ 'عذاب اکبر' آ جائے جس کے بعد ہمیں مزید مہلت نہ مل سکے[1]۔ اور ہم ع "تمہاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں!" کا مصداق بن جائیں۔ معاذ اللہ، ثم معاذ اللہ! آج وہ پاکستان جو ۱۹۴۷ء میں قائم ہوا تھا اور جس کے لئے قرارداد ۱۹۴۰ء میں منظور ہوئی تھی، دنیا میں موجود نہیں ہے۔ پاکستان محض دولخت ہوتا تو بھی افسوسناک بات تھی، لیکن اس سے آگے مشرقی پاکستان کا اپنی شناخت تک کو تبدیل کر کے بنگلہ دیش کی صورت اختیار کر لینا اور ہمارے بنگالی بھائیوں کا دو قومی نظریہ کو خلیج بنگال میں غرق کر دینا حد درجہ افسوسناک ہے، لیکن ابھی یہ غنیمت ہے کہ جس مملکت کا خواب علامہ اقبال نے ۱۹۳۰ء میں دیکھا تھا وہ تا حال ایک زندہ حقیقت کی صورت میں موجود ہے۔ علامہ اقبال کے خطبہ الہ آباد کے الفاظ یہ ہیں:

"...... میں یہ چاہتا ہوں کہ صوبۂ پنجاب، شمال مغربی سرحدی صوبہ، سندھ اور بلوچستان ایک ریاست میں مدغم ہو جائیں۔ مجھے ایسا دکھائی دیتا ہے کہ برطانوی حکومت کے اندر رہتے ہوئے یا باہر، خود اختیاری کا حصول اور شمال مغربی برصغیر میں مسلم ریاست کا قیام مسلمانوں کا مقدر بن چکا ہے"۔

لیکن اگر ہم نے پچھلے دو موقعوں کے بعد یہ موقع بھی ضائع کر دیا تو کچھ کہا نہیں جا سکتا کہ 'عذاب اکبر' کس شکل میں ظاہر ہو جائے، ملک کے حصے بخرے ہو جائیں یا کچھ اور ہو جائے۔ ہم سے الگ ہو جانے والے ہمارے مشرقی بازو کا معاملہ اس اعتبار سے ہم سے بہتر شمار کیا جا سکتا ہے کہ وہاں ایک زبان اور ایک ثقافت کی حامل ایک قوم آباد ہے، لیکن

---

[1] واضح رہے کہ قیام پاکستان کے چوبیس سال کے بعد سقوط مشرقی پاکستان کا حادثہ فاجعہ پیش آیا تھا۔

یہاں ہم کئی قومیتوں میں منقسم ہیں' کسی ایک زبان پر بھی ہم متفق نہیں ہیں۔ چنانچہ اگر خدانخواستہ یہاں عذاب آیا تو وہ اُس عذاب سے کہیں بڑھ کر ہوگا۔ اور ہم سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہ کر سکیں گے۔

اِس وقت قوم میں بڑے پیمانے پر اس بات کا شعور پیدا کرنے کی شدید ضرورت ہے۔

نظامِ اسلام کے متعلق دو مختلف تصورات

اس مرحلے پر میں آپ سب حضرات اور بالخصوص دانشور حضرات کی خدمت میں ایک مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔ میرے نزدیک اس ملک میں نظام اسلام کے قیام کی سب سے بڑی رکاوٹ یہ ہے کہ یہاں ' نظام اسلام ' کے متعلق دو متضاد تصورات موجود ہیں۔ امت کے وہ ذی شعور حلقے جو کسی نہ کسی اعتبار سے قیادت کے منصب پر فائز ہیں یا کسی درجے میں رائے عامہ پر اثر انداز ہونے کی صلاحیت رکھتے ہیں' سورۃ الرحمٰن میں وارد شدہ الفاظ مبارکہ "مَرَجَ الْبَحْرَيْنِ يَلْتَقِيٰنِ بَيْنَهُمَا بَرْزَخٌ لَّا يَبْغِيٰنِ" کے مصداق دو طبقوں میں منقسم ہیں اور ان کا ' نظام اسلام ' کا تصور ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ ان میں سے ہر ایک کے نزدیک اسلام کا جو پہلو زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ نظام اسلام کے نفاذ کو انہی معنوں میں لیتا ہے۔ ان میں سے ایک طبقہ علمائے کرام کا ہے' یعنی درسِ نظامی کے قدیم نظامِ تعلیم سے فارغ ہونے والے حضرات جو مساجد اور دینی مدارس میں خدمات سرانجام دے رہے ہیں۔ ان کے نزدیک اسلام کا جو پہلو زیادہ اہمیت کا حامل ہے وہ عقیدہ[1]' عبادات[2]' عائلی قوانین[3]' ستر[4] و حجاب اور عفت و حیا جیسی تہذیبی اقدار کے فروغ اور شرعی[5] حدود کے نفاذ کے لئے افتاء و قضاء کے نظام پر مشتمل ہے۔ نظامِ اسلام کا اس سے آگے ہمارے علمائے کرام بالعموم کوئی تصور نہیں رکھتے' الا ماشاء اللہ۔ ان کے ہاں سماجی عدل یا سیاسی و معاشی سطح پر عوام کے حقوق کا کوئی تصور موجود نہیں ہے۔ درحقیقت ان کا تصورِ دین ہماری تیرہ سو سالہ تاریخ کے اثرات کی وجہ سے محدود ہوگیا ہے۔ خلافتِ راشدہ کے بعد بہت جلد ہمارا سیاسی نظام ملوکیت میں تبدیل ہوگیا جو جاگیرداری اور سرمایہ داری کے بل پر قائم تھا۔ چنانچہ اسلام کا سیاسی اور اقتصادی نظام (Politico Economic System) جس کی ایک حسین جھلک دورِ خلافتِ راشدہ میں نوع انسانی کو نظر آئی تھی' لوگوں کے ذہنوں سے اوجھل ہوگیا۔ اس تیرہ سو سالہ دور میں عدلِ اجتماعی کا شعبہ علمائے

کرام کے دائرہ کار سے خارج رہا' لہٰذا رفتہ رفتہ اس کی اہمیت بھی ان کے ذہن سے محو ہوتی چلی گئی اور ان کے نزدیک دین کا کل دائرۂ اثر ان چیزوں تک محدود ہو کر رہ گیا جو میں نے ابھی گنوائی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ علمائے کرام کا طبقہ جب نفاذِ اسلام یا تنفیذِ شریعت کی بات کرتا ہے تو اس کے سامنے بالعموم دین کا یہی محدود تصور ہوتا ہے۔

اس کے بالکل برعکس جدید تعلیم یافتہ حضرات کا مکتب فکر جس کے فکری امام سر سید احمد خان ہیں' نفاذِ دین کا ایک دوسرا تصور رکھتا ہے۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں اسی تصور دین کے حامل تھے۔ اس مکتب فکر کے نزدیک' نظامِ اسلام' کے معنی یہ ہیں کہ اسلام میں کسی مذہبی طبقے کی حکومت کا کوئی تصور نہیں۔ قائد اعظم اور علامہ اقبال دونوں نے پاپائیت یا تھیوکریسی کی پُرزور نفی کی ہے۔ اس طبقے کے نزدیک اسلام کا یہ پہلو کہ یہ ایک نظام عدل اجتماعی (System Of Social Justice) ہے' اصل اہمیت کا حامل ہے۔ چنانچہ ان کے ہاں نظام اسلام کے نفاذ کے معنی یہ ہیں کہ اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کو روبعمل لایا جائے' عوام کو جمہوری طریقے سے حکومت کے معاملات میں شرکت کا حق دیا جائے' ان کے بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ کیا جائے۔ اسلام کے معاشرتی عدل (Social Justice) کے لئے قائد اعظم نے "اسلامک سوشلزم" کی اصطلاح اختیار کی۔ انہوں نے اپنے اس تصور کی وضاحت کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ: "ہمیں پاکستان اس لئے درکار ہے کہ ہم اسلام کے اصولِ حریت و اخوت و مساوات کا ایک نمونہ دنیا کے سامنے پیش کر سکیں" اور علامہ اقبال تو عام لوگوں کو سمجھانے کے لئے اس قدر آگے چلے گئے کہ انہوں نے

Marxism + God = Islam

کا فارمولا پیش کر دیا کہ مارکسزم میں اگر مذہبی تصورات بالخصوص توحید کے تصور کو شامل کر دیا جائے تو جو اجتماعی نظام وجود میں آئے گا وہ اسلام کے عادلانہ نظامِ اجتماعی سے بہت قریب ہو گا۔

مزید برآں اِن دونوں طبقات کے تصورِ اجتہاد میں بھی زمین و آسمان کا بُعد اور فصل نظر آتا ہے۔ طبقہ علماء کے ہاں چاہے نظری طور پر تسلیم کیا جاتا ہو کہ اجتہاد کا دروازہ کھلا ہے' لیکن عملاً اس کا دروازہ ایک عرصے سے بند کیا جا چکا ہے۔ یہ حضرات اکثر و بیشتر متاخرینِ فقہاء کے ارشادات کو لے کر بیٹھے ہوئے ہیں اور اس سے سرِمو آگے بڑھنے کو

تیار نہیں ' بلکہ اکثر معاملات میں یہ اس سے پیچھے جانے کے لئے بھی تیار نہیں ۔ چنانچہ ایک طرف جمود کا یہ عالم ہے کہ کئی ایسے مسائل کے ضمن میں بھی کہ جن میں فقہائے احناف نے امام ابو حنیفہؒ کے قول کو نظرانداز کر کے صاحبین (قاضی ابو یوسفؒ ' امام محمدؒ) کے قول کو اختیار کیا تھا ' ہمارے علماء امام ابو حنیفہ کی رائے پر دوبارہ غور و فکر کے لئے بھی آمادہ نہیں ہیں ۔ لیکن دوسری طرف بعض جدید دانشوروں کے ہاں ایسے اجتہاد کا سراغ بھی ملتا ہے جو نصوصِ قرآنی سے بھی بالاتر ہو ۔ یہ حضرات اجتہاد کے نام پر قرآن کے واضح احکام کو بھی تبدیل کرنا چاہتے ہیں ۔ یہ دونوں انتہائیں ہمارے ہاں پائی جاتی ہیں۔

ان دونوں طبقات کے مابین ایک اور تقسیم بھی موجود ہے اور وہ ہے ان کے اپنے اپنے حلقہ ہائے اثر کی تقسیم ۔ علمائے کرام کا طبقہ حکومت و سیاست کے معاملات میں بہت غیر مؤثر ہے اور یہاں ان کا عمل دخل نہ ہونے کے برابر ہے ۔ جبکہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ اقتدار و حکومت کے ہر میدان میں پوری طرح مؤثر نظر آتا ہے ۔ سول اور ملٹری بیوروکریسی ' عدلیہ اور حکومت کے تمام معاملات پر وہ چھایا ہوا ہے ۔ ملک کے معاشی وسائل و ذرائع بھی درحقیقت اسی کے قبضے میں ہیں ۔ اس کے برعکس عوام کے مذہبی جذبات علماء کرام کے زیر اثر ہیں ۔ انہیں مسجد و منبر کے ذریعے عوام سے مستقل رابطے کا بھرپور موقع میسّر ہے ۔ مسجد ایک مستقل اجتماع گاہ ہے جہاں عوام دن میں پانچ بار جمع ہوتے ہیں اور جمعہ کے روز تو ایک اجتماعِ عام کی صورت بن جاتی ہے ۔ پھر یہ کہ عوام کو مذہب کے ساتھ جو جذباتی لگاؤ ہے اس کے پیش نظر علماء کی بڑی اہمیت ہے ۔ اور یہ طبقہ اس لحاظ سے بھی بڑی اہمیت کا حامل ہے کہ اسلام کے جو نظریات یہ حضرات پیش کر رہے ہیں ان کی پشت پر بارہ تیرہ سو برس کا تسلسل اور تعامل موجود ہے ۔ چنانچہ یہ تعلیمات اور نظریات بحیثیتِ قوم ہمارے اجتماعی تحت الشعور (Collect ive Sub-concious mind) میں جاگزیں ہو چکی ہیں ۔ لوگ ان اقدار اور تعلیمات پر خواہ خود عمل پیرا نہ بھی ہوں تب بھی وہ یہ ضرور جانتے ہیں کہ کون سی شے ہمارے دین میں پسندیدہ ہے اور کون سی ناپسندیدہ !

دونوں تصورات اسلام ہی کا حصہ ہیں

اس پس منظر میں مجھے یہ عرض کرنا ہے کہ اگرچہ نفاذِ اسلام کے بارے میں دونوں طبقوں کے تصورات اور تعبیرات مختلف اور متضاد معلوم ہوتے ہیں ' تاہم ۔ " اڑائے

کچھ ورق لالے نے 'کچھ نرگس نے' کچھ گل نے۔ چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری!" کے مصداق یہ ساری داستان اسلام ہی کی ہے۔ طبقۂ علماء کا تصور بھی اسلام کا جزوِ لاینفک ہے اور حقیقت یہ ہے کہ علماء کرام جن تعلیمات اور اقدار پر زور دیتے ہیں وہ عین اسلام ہے۔ اور چونکہ قوم کے اجتماعی تحت الشعور میں اسلام کا یہ تصور موجود ہے 'لہٰذا اگر آپ عوام کو دین کے حوالے سے متحرک کرنا چاہتے ہیں تو جب تک انہیں وہ چیزیں واقعتہً نظر نہیں آئیں گی اُن کے اندر ایثار و قربانی کا کوئی جذبہ نہیں ابھرے گا۔ لیکن اس کے ساتھ ساتھ جدید تعلیم یافتہ طبقے کا تصورِ دین بھی اسلام کے لئے ہرگز اجنبی نہیں ہے بلکہ سیاسی اور معاشی حقوق کا ضامن عدلِ اجتماعی کا نظام درحقیقت اسلام ہی کا عطا کردہ ہے۔ دورِ نبوی اور دور خلافتِ راشدہ ہی کے ذریعے دنیا پہلی بار ایک نظامِ عدل اجتماعی سے روشناس ہوئی۔ لیکن افسوس کہ اسلام کا یہ پہلو ملوکیت کے زیر اثر آہستہ آہستہ نگاہوں سے اوجھل ہوتا چلا گیا۔ اب ہمیں اسلام کے ان دونوں پہلوؤں کی طرف پیشقدمی کرنی ہے۔ نوع انسانی نے اپنے طویل عمرانی ارتقاء کے نتیجے میں' جس میں اسے بڑی قربانیاں دینی پڑی ہیں 'کچھ اقدار کو حاصل (realize) کیا ہے۔ انقلاب فرانس اور انقلاب روس میں ہزاروں انسانوں کو اپنے خون کا نذرانہ دینا پڑا' لیکن یہ ماننا پڑتا ہے کہ اِن انقلابات کے نتیجے میں دنیا میں یہ شعور پروان چڑھا ہے کہ انسان کے کچھ سیاسی اور معاشی حقوق بھی ہیں۔تاہم یہ بھی ایک ناقابل تردید حقیقت ہے کہ اولاً اسلام ہی نے چودہ سو سال قبل ان حقوق سے نوع انسانی کو روشناس کرایا تھا۔ میں سمجھتا ہوں کہ علامہ اقبال کے یہ دو اشعار اس ضمن میں حرفِ آخر کا درجہ رکھتے ہیں

ہر کجا بینی جہانِ رنگ و بو ز انکہ از خاکش بروید آرزو
یا زنورِ مصطفٰےؐ اورا بہاست یا ہنوز اندر تلاشِ مصطفٰےؐ ست

کہ سیاسی اور معاشی اقدار کے ضمن میں نوع انسانی نے جو بھی پیش رفت کی ہے یہ یا تو محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی عطا کردہ اقدار ہی کی صدائے بازگشت ہے اور یا پھر وہ نوعِ انسانی کی اس سعی و جہد کا مظہر ہے جو وہ محمد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کے عطا کردہ نظام تک پہنچنے کے لئے کر رہی ہے۔

علامہ اقبال کا متوازن فکر اور ان کی شخصیت

میرے نزدیک علامہ اقبال کی شخصیت ایک ایسی شخصیت ہے جو ہمارے ہاں نفاذِ اسلام کے راستے کی اس سب سے بڑی رکاوٹ کو دور کرنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اس اعتبار سے علامہ کی شخصیت بلاشبہ ہمارے لئے بہت بڑا سرمایہ ہے۔ ان کی شخصیت کے ساتھ میری غایت درجے دلچسپی کی وجہ یہ ہے کہ ان کے فکر میں ہمہ گیریت اور جامعیت بتمام و کمال موجود ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ وہ قدیم و جدید کے سنگم پر کھڑے ہیں' اس لئے کہ ان کے ہاں اسلام کے دونوں پہلوؤں کے درمیان حیرت انگیز توازن نظر آتا ہے۔ ایک طرف ان کی سوچ انتہائی ترقی پسندانہ ہے اور دور جدید کے تقاضوں سے نہایت ہم آہنگ ہے اور دوسری طرف جہاں تک دین کی اساسات کا تعلق ہے وہ فکری اعتبار سے سختی سے انہیں تھامے ہوئے ہیں اور دین کی بنیادی اور اساسی تعلیمات و اقدار کے معاملے میں وہ ہرگز کسی مداہنت یا مصالحت (compromise) کے روادار نہیں ہیں۔ ان کے اشعار میں مغربی تہذیب و تمدن سے شدید نفرت و بیزاری کا اظہار نمایاں نظر آتا ہے۔ مغرب کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر اسے جس طرح انہوں نے چیلنج کیا ہے وہ کوئی دوسرا نہیں کرسکا۔ ملاحظہ فرمائیے ان کے یہ اشعار۔

دیارِ مغرب کے رہنے والو' خدا کی بستی دکاں نہیں ہے
کھرا جسے تم سمجھ رہے ہو وہ اب زرِ کم عیار ہوگا
تمہاری تہذیب اپنے خنجر سے آپ ہی خود کشی کرے گی
جو شاخِ نازک پہ آشیانہ بنے گا' ناپائیدار ہوگا

اور۔

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیب حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

اس کے ساتھ ساتھ وہ مسلمان خاتون کو حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی تقلید میں ستر و حجاب کی مکمل پابندی کا مشورہ بھی دیتے ہیں' کیونکہ وہ اختلاطِ مرد و زن کے قائل نہیں تھے۔ فرماتے ہیں۔

بتولے باش و پنہاں شوازیں عصر — کہ در آغوش شبّیرے بگیری

کہ حضرت فاطمہؓ کو اپنا آئیڈیل بناؤ اور اِس زمانے کی نگاہوں سے پوشیدہ رہو تاکہ تمہاری

گود میں حضرتِ حسینؓ جیسے پھول کھلیں۔ دیکھئے وہ کس خوبصورتی سے اس حقیقت کو بیان کر گئے ہیں کہ اصل جوہر خلوت میں نمایاں ہوتا ہے' جلوت میں نہیں۔ ذاتِ باری تعالیٰ نے اپنے آپ کو حجاب میں رکھا ہے اور اس کی بے پایاں تخلیقی قوتیں ظاہر ہوئی ہیں۔ مسلمان خاتون بھی اگر اپنے آپ کو حجاب میں رکھے گی تو اس کی کوکھ سے انتہائی با صلاحیت بچے جنم لیں گے۔ اور جس طرح اللہ تعالیٰ محجوب ہونے کے باوجود اپنی تخلیقات سے عیاں ہے' اسی طرح مسلمان خاتون کی صلاحیتوں اور عظمتِ کردار کی جھلک اس کی اولاد میں نظر آنی چاہئے۔

اقبال نہایت راسخ العقیدہ مسلمان تھے۔ ختم نبوت کے بارے میں انہوں نے ایک بڑی پیاری بات کہی تھی کہ ختم نبوت امت کے لئے رحمت ہے۔ کیونکہ نبی کی شخصیت بے چون و چرا اطاعت کی متقاضی ہوتی ہے۔ نبی کی مکمل اور غیر مشروط اطاعت ہر ایک پر لازم ہوتی ہے۔ دنیا میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد اب کوئی ایسا انسان نہیں آئے گا جس کی اطاعت مطلقاً اور بے چون و چرا کی جائے۔ اتباعِ رسولؐ کی اہمیت پر ان کا یہ شعر تو حرفِ آخر کا درجہ رکھتا ہے۔

بمصطفیٰؐ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر بہ اوؐ نہ رسیدی تمام بو لہبی ست

ان کے نزدیک اللہ کی محبت کا ذریعہ اتباعِ رسولؐ ہی ہے۔ چنانچہ فرماتے ہیں۔

عاشقی محکم شو از تقلیدِ یار تا کمندِ تو کند یزداں شکار

یعنی اگر تمہیں واقعی اللہ سے محبت اور عشق ہے تو پھر لازم ہے کہ تم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی تقلید اور اتباع کرو۔ اسی سے تمہارے عشق میں استحکام پیدا ہوگا اور تم ع "یزداں بکمند آور اے ہمتِ مردانہ!" کے مقام تک پہنچ سکو گے۔ اپنے اس شعر میں اقبال نے گویا کہ آیۂ قرآنی: "قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِیْ یُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ" کا مضمون بیان کر دیا ہے۔

اسی طرح اجتہاد کے بارے میں علامہ اقبال کا نظریہ بہت متوازن ہے۔ چنانچہ ایک طرف تو وہ تقلیدِ محض پر شدید تنقید کرتے ہیں اور کہتے ہیں ع "تقلید سے ناکارہ نہ کر اپنی خودی کو!" اور ع "تقلید کی روش سے تو بہتر ہے خودکشی!" لیکن دوسری طرف وہ اُس مادر پدر آزاد اجتہاد کے ہرگز قائل نہ تھے جس کے نتیجے میں اسلاف سے تعلق ٹوٹ جائے۔

فرماتے ہیں۔

اجتہاد اندر زمانِ انحطاط   قوم را برہم ہمی پیچد بساط

کہ اس زمانۂ انحطاط میں بہت احتیاط کے ساتھ اجتہاد کی ضرورت ہے۔ غیر محتاط اجتہاد تو پوری ملت کی بساط کو درہم برہم کرکے رکھ دے گا۔ اسی نظم کا اگلا شعر ہے۔

ز اجتہادِ عالمانِ کم نظر   اقتدا بر رفتگاں محفوظ تر

یہاں 'عالمانِ کم نظر' سے جہاں وہ علماء کرام مراد ہیں جو جدید دور کے مسائل اور تقاضوں سے واقف نہیں' وہاں وہ دانشور بھی اس لفظ کا مصداق ہیں جنہوں نے دین کی محکمات اور اساسات کا علم حاصل نہیں کیا اور وہ اپنے اجتہاد سے دین کو بازیچۂ اطفال بنانا چاہتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے اجتہاد سے تو بہتر ہے کہ اسلاف کے راستے پر چلا جائے اور ان کی اقتداء اور پیروی جاری رکھی جائے۔

فکر اقبال کا ایک پہلو تو یہ ہے جو میں نے آپ کے سامنے رکھا ہے۔ اور جو راسخ العقیدہ علماء کے تصور اسلام سے انتہائی مطابقت اور ہم آہنگی رکھتا ہے۔ لیکن ان کے فکر کا ایک دوسرا پہلو یہ ہے کہ ان کے ہاں سماجی' معاشی اور سیاسی عدل پر حد درجہ زور (Emphasis) پایا جاتا ہے۔ اور واقعہ یہ ہے کہ آج تک مجھے کسی بھی مسلمان مفکر اور مصنف کے ہاں اس بات کی اس قدر تاکید اتنے مؤثر انداز میں نظر نہیں آئی جیسی علامہ کے ہاں نظر آتی ہے۔ ہمارے بہت سے مفکرین نے ان کے فکر سے استفادہ کرتے ہوئے سلیس زبان میں اسے زیادہ بڑے حلقے تک پہنچایا ہے' وہ بھی یقیناً خادمانِ دین و ملت ہیں۔ لیکن بعض اعتبارات سے محسوس ہوتا ہے کہ ابھی تک وہاں کوئی بھی نہیں پہنچ سکا جہاں نصف صدی قبل علاّمہ اقبال پہنچ چکے تھے۔ اس دور میں سیاسی عدل کے ضمن میں اسلام کے صحیح تصورات بہت سے لوگوں نے اپنائے اور انہیں پیش کرنے کا حق بھی ادا کیا۔ میں اس پر انہیں بھی خراجِ تحسین پیش کرتا ہوں ــــــ لیکن میں یہ خاص طور پر عرض کروں گا کہ معاشی عدل کا جو تصور علامہ اقبال نے پیش کیا اور اقتصادی ظلم و جور اور استحصال (Exploitation) کے خلاف جس طرح انہوں نے انقلاب کا نعرۂ مستانہ بلند کیا ہے اس سطح پر مجھے آج تک عالم اسلام کا کوئی دوسرا مفکر پہنچا ہوا نظر نہیں آتا۔

فرماتے ہیں۔

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب

از جفائے دہ خدایاں کشتِ دہقاناں خراب
انقلاب ! انقلاب ! اے انقلاب !

ذرا اندازہ کیجئے کہ ان کا یہ نعرہ ساٹھ ستر برس قبل کا ہے! ــــــ پھر یہ کہ سود خواہ نقد کا ہو یا زمین کا' اس کے بارے میں علامہ کے ہاں احساس کی وہ انتہائی شدت پائی جاتی ہے کہ بقول شاعر۔

عرض کیجے جوہرِ اندیشہ کی گرمی کہاں
کچھ خیال آیا تھا وحشت کا کہ صحرا جل اٹھا

مقدم الذکر سود کے بارے میں ان کے دو اشعار آب زر سے لکھے جانے کے قابل ہیں:

از ربا آخر چہ می زائد؟ فتن ! کس نداند لذّتِ قرضِ حسن

کہ اس ام الخبائث 'سود' کے بطن سے اور کیا وجود میں آئے گا سوائے فتنوں کے؟ اور قرضِ حسن میں جو لذت ہے اس سے کوئی آشنا نہیں ہے!

از ربا جاں تیرہ ' دل چوں خشت و سنگ آدمی درّندہ بے دندان و چنگ

کہ اس سود کی وجہ سے انسان کا باطن تاریک ہو جاتا ہے' اس کا دل پتھر کی طرح سخت ہو جاتا ہے اور انسان فی الحقیقت درندہ بن کر رہ جاتا ہے' اگرچہ اس کے بھیڑیے کی طرح کے پنجے اور دانت نہیں ہوتے۔

سود کی دوسری شکل جاگیرداری و زمینداری کی پیدا کردہ ہے یعنی مزارعت! سود کی یہ صورت ہمارے ہاں شیرِ مادر کی طرح حلال سمجھی گئی ہے۔ زمین کا مالک اپنی کوٹھی میں بیٹھا ہوا کاشتکار کے خون پسینے کی کمائی سے عیش کر رہا ہے۔ علامہ اقبال نے اس مزارعت کی بڑی خوبصورتی کے ساتھ نفی کی ہے۔

خدا آں ملتے را سروری داد کہ تقدیرش بدستِ خویش بنوشت
باآں قومے سروکارے ندارد کہ دہقانش برائے دیگراں کشت

کہ اللہ تعالیٰ دنیا میں اُسی ملت کو سرخرو کرتا اور سروری عطا کرتا ہے جو اپنی تقدیر اپنے ہاتھ سے لکھتی ہے۔ یعنی محنت و جفاکشی سے اپنی تقدیر خود بناتی ہے۔ اور اُس قوم سے تو اللہ تعالیٰ کو کوئی سروکار اور تعلق ہی نہیں جس کا دہقان دوسروں کے لئے کاشت کرتا ہو۔ جہاں دہقان کی محنت اور خون پسینے کی کمائی سے مالکِ زمین جاگیردار گھر بیٹھا "Lion s share" وصول کر رہا ہو۔

میں عرض کر چکا ہوں کہ علامہ اقبال کے متوازن فکر میں ہمیں جہاں ایک طرف قدامت پسندی' اتباعِ رسول' اقتداءِ اسلاف اور تہذیب و اقدار کے معاملے میں اسلامی اصولوں کی پیروی کا سبق ملتا ہے وہاں دوسری طرف حرکت و انقلاب اور زمانے کا ساتھ دینے کی دعوت بھی ملتی ہے۔ اس ضمن میں میں اُن کے اُسی خطبے کا ایک اقتباس پیش کر رہا ہوں جس کا حوالہ میں پہلے دے چکا ہوں۔

"...... اس بنا پر میں مطالبہ کرتا ہوں کہ برصغیر اور اسلام کے مفاد کے پیش نظر ایک مستحکم مسلم ریاست قائم کی جائے۔ یہ امر برصغیر کے لئے اندرونی توازنِ اقتدار اور اس کے نتیجے میں امن و سکون کا باعث بنے گا...... روحِ اسلام اور عصرِ حاضر کے تقاضوں کو سمو کر یہاں ایک نظام قائم کر دیا جائے تو یہ پوری دنیا کے لئے لائٹ ہاؤس بن جائے گا۔ اور اسلام کے لئے موقع فراہم کرے گا کہ وہ اپنے اوپر سے اُس نقش کو اتار دے جو اسے عرب بادشاہت نے پہنایا تھا' اور اپنے قانون' اپنی تعلیم اور اپنی ثقافت کو ترقی دے اور اسے اصل اسلامی روح اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ڈھال دے"۔

علامہ اقبال کا یہ خواب کہ روحِ اسلام اور عصر حاضر کے تقاضوں کو سمو کر یہاں ایک نظام قائم کر دیا جائے' تا حال تو ہمیں عالمِ واقعہ میں کہیں نظر نہیں آتا' لیکن ان کا یہ جملہ بڑی گہری اہمیت کا حامل ہے۔ اور اس میں یہ بات اہم ترین ہے کہ اسلام کی حقیقی تعلیم پر ملوکیت کا جو نقش قائم ہو گیا تھا' بادشاہت اور جاگیرداری نے مل کر اسلام کے رخِ انور پر جو سیاہ نقاب ڈال دیا تھا' وہ نقاب اسی صورت میں اتر سکتا ہے کہ اصل اسلامی روح اور عصر حاضر کے تقاضوں کے مطابق ایک معاشرہ دنیا کو قائم کر کے دکھایا جائے جو دنیا کے لئے 'مینارۂ نور' ثابت ہو۔

اہلِ حکومت کے لئے چند عملی مشورے

یہ تمام باتیں بالخصوص میں یہاں موجود[1] ان حضرات کے گوش گزار کرنا چاہتا ہوں جو حالیہ انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد کی بہت بڑی کامیابی کے بعد ملک و قوم کی قیادت و سیادت کے منصب پر فائز ہوئے ہیں' اس لئے کہ دین تو نام ہی خیر خواہی کا ہے۔ یہ ارشاد

---

[1] وزیر اعظم پاکستان کو بھی مرکزیہ مجلس اقبال کی اس تقریب میں پہنچنا تھا لیکن ان کی آمد میں تاخ...
... کے وقت وزیر اعلیٰ پنجاب وہاں موجود تھے۔

گرامی ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ حدیث کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔

عن تمیم الدّاری رضی اللّٰہ عنہ، انّ النّبیّ صلّی اللّٰہ علیہ وسلّم قال، "اَلدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ" ثلاثاً۔ قلنا: لِمَنْ؟ قال: "لِلّٰہِ وَلِکِتَابِہٖ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِاَئِمَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ وَعَامَّتِھِمْ"۔ (رواہ مسلم)

حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "دین تو خیر خواہی (وفاداری، خلوص اور نصیحت) کا نام ہے"۔ ہم نے دریافت کیا: حضور کس کی خیر خواہی؟ آپؐ نے فرمایا: "اللہ، اس کی کتاب، اس کے رسولؐ، مسلمانوں کے راہنماؤں (جن کے ہاتھ میں ملک و ملت کی باگ ڈور آگئی ہو) اور ان کے عوام کی!"

یعنی ان پانچ چیزوں کے ساتھ وفاداری، خیر خواہی، خلوص اور حقِ نصیحت ادا کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ چنانچہ میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس فرمان پر عمل پیرا ہوتے ہوئے ملک و ملّت کے ان زعماء کو، جن کے ہاتھوں میں زمامِ اقتدار آگئی ہے، چند عملی مشورے دے رہا ہوں۔

(۱) قرآن کے فلسفہ و حکمت کی اشاعت

اس ضمن میں سب سے پہلی اور اہم ترین بات یہ کہ اسلامی جمہوری اتحاد کی حکومت کو قرآن کے فلسفہ و حکمت کی وسیع پیمانے پر اشاعت پر خصوصی توجہ دینی چاہئے۔ اس کے لئے علامہ اقبال کی شخصیت ہمارے لئے کلید کا کام دے سکتی ہے۔ ہر دور میں ایسے صاحبِ فکر و نظر افراد پیدا ہوئے ہیں جنہوں نے قرآن کے فلسفہ و حکمت کو اپنے اپنے انداز سے دنیا کے سامنے پیش کیا۔ میرے نزدیک علامہ اقبال دورِ جدید کے سب سے بڑے شارحِ قرآن بھی ہیں اور سب سے بڑے داعیٔ قرآن بھی! بلکہ میں تو کہا کرتا ہوں کہ اقبال کی شخصیت اس دور میں اعجازِ قرآن کی سب سے بڑی علامت ہے۔ (میں نے یہ بات ۱۹۷۳ء میں اپنی ایک تقریر کے دوران کہی تھی جو اب "علامہ اقبال اور ہم" کے نام سے کتابچے کی صورت میں شائع ہوتی ہے) اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ اگرچہ ان کی تعلیم و تربیت دارالعلوموں کے ماحول میں نہیں ہوئی لیکن قرآن مجید کے ساتھ ان کا شغف بے مثال تھا۔ جو حضرات اس ماحول میں پرورش پاتے اور تعلیم حاصل

کرتے ہیں ان کا تو ظاہر بات ہے کہ اٹھتے بیٹھتے کتاب و سنت سے ربط و تعلق قائم رہتا ہے۔ لیکن اقبال وہ شخص ہے کہ جس نے کالجوں اور یونیورسٹیوں کے ماحول میں تعلیم حاصل کی۔ فلسفے کا گہرا مطالعہ کیا جسے بالعموم مذہب سے متصادم سمجھا جاتا ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ برطانیہ اور المانیہ کی اعلیٰ ترین یونیورسٹیوں میں قدیم اور جدید فلسفوں کو کھنگالنے کے بعد انہیں ذہنی سکون اور راحت کہیں میسر آئی تو صرف قرآن کے دامن میں[1] !! یہی وجہ ہے کہ میرے نزدیک علامہ اقبال کی ذات اس دور میں اعجاز قرآن کا سب سے بڑا مظہر ہے۔ ایک جانب وہ ملتِ اسلامی کے سب سے بڑے حدی خواں اور داعیٔ قرآن ہیں تو دوسری جانب قرآن مجید کی حکمت اور نظام اسلام کے مختلف پہلوؤں کو جس جامعیت کے ساتھ انہوں نے پیش کیا ہے اس کی ہمیں اس دور میں کوئی دوسری نظیر نہیں ملتی۔ چنانچہ واقعہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت کی اشاعت کے لئے فکرِ اقبال کو بطورِ کلید پیش کئے جانے کی ضرورت ہے۔ اس ضمن میں کیا تدابیر اختیار کی جائیں؟ اس پر اہلِ علم و دانش کو مل جل کر غور و فکر کرنا ہوگا!

(۲) غیر مخلوط معاشرے کی طرف پیشقدمی

دوسری اہم چیز جس کی جانب فوری توجہ کی ضرورت ہے اور جسے ہماری اسلام کے ساتھ وابستگی کا منطقی تقاضا قرار دینا غلط نہ ہوگا' یہ ہے کہ ہمیں اب تدریجاً ایک غیر مخلوط معاشرے کی طرف پیشقدمی کرنا ہوگی۔ ہمارا معاشرہ اگرچہ بحمد اللہ مکمل طور پر مخلوط نہیں ہے' لیکن اس میں بے حجابی اور عریانی و فحاشی کا فروغ اور بہت سے دفاتر اور تعلیمی اداروں میں مرد و زن کا اختلاط انتہائی تشویشناک ہے۔ ان برائیوں سے پاک غیر مخلوط معاشرے کی طرف تدریجاً پیشقدمی کو ہمیں اپنی اولین ترجیحات میں شامل کرنا چاہئے۔ اس سلسلے میں جہاں تک خواتین کی ملازمتوں کا تعلق ہے تو ان کے لئے روزگار کے ایسے مواقع مہیا کئے جائیں جہاں وہ مردوں سے الگ تھلگ رہتے ہوئے آزادانہ طور پر کام کر

---

[1] اقبال خود اپنے بارے میں فرماتے ہیں ؎

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو ملی تو کہاں ملی　　مرے جرمِ خانہ خراب کو ترے عفوِ بندہ نواز میں!

سکیں۔ مثال کے طور پر پرائمری کی حد تک تعلیم کا شعبہ مکمل طور پر ان کے حوالے کیا جا سکتا ہے۔ خواتین میں جو مادرانہ شفقت ہوتی ہے اس سے پرائمری تعلیم کے شعبے میں خاطر خواہ بہتری پیدا ہوگی۔ البتہ ہائی سکولز' کالجز اور یونیورسٹی کی سطح پر مخلوط تعلیم لازمی طور پر ختم کی جانی چاہئے۔ اس ضمن میں خواتین یونیورسٹی کا قیام بھی ناگزیر ہے۔ اسی طرح اس میں کیا رکاوٹ ہے کہ زنانہ ہسپتالوں میں صرف خاتون نرسیں اور مردانہ ہسپتالوں میں صرف مرد نرس (Male Nurse) کام کریں۔ اگر فوج میں مرد نرس تیمارداری کے فرائض سرانجام دیتے ہیں تو سول ہسپتالوں میں ایسا کیوں ممکن نہیں؟ اسی طرح خواتین کے لئے گھریلو صنعتوں کو فروغ دیا جائے' ان کے لئے ایسے صنعتی یونٹ تشکیل دیئے جائیں جہاں تمام عملہ خواتین پر مشتمل ہو۔ ان کے اوقاتِ کار بھی آٹھ گھنٹے کے بجائے چار گھنٹے رکھے جا سکتے ہیں تاکہ وہ گھریلو ذمہ داریوں کو بھی پورا کر سکیں۔ ستر و حجاب کی پابندی ہمارے قدیم تصورات کا جزو لاینفک ہے اور علامہ اقبال بھی اسی کے علمبردار تھے۔

اس موقع پر مجھے یہ بھی عرض کرنا ہے کہ ہمارے نئے وزیر اعظم صاحب نے حال ہی میں بیرونی پریس کو دیئے گئے اپنے ایک انٹرویو میں اپنے بنیاد پرست (Fun damen-talist) ہونے کی جو نفی کی ہے وہ نہایت افسوسناک ہے۔ ہمیں اس کی نفی ہرگز نہیں کرنی چاہئے۔ آخر ہم "بنیاد" کو چھوڑ کر جائیں گے کہاں؟ ہم یقیناً لکیر کے فقیر نہیں ہیں' جامد اور متحجر نہیں ہیں' ہمیں روحِ عصر کا ساتھ دینا ہے' لیکن ہم اپنی جڑ بنیاد کو نہیں چھوڑ سکتے۔ وہ درخت بھلا کیسے قائم رہ سکتا ہے جس کی جڑ ہی کٹ جائے۔ " **اَصۡلُهَا ثَابِتٌ وَّفَرۡعُهَا فِى السَّمَآءِ** " کے قرآنی الفاظ کے مصداق صرف اسی درخت کی شاخیں بلندیوں کو چھو سکتی ہیں جس کی جڑ مضبوطی سے زمین میں قائم ہو۔ ہمارے سامنے تو وہ نقشہ ہونا چاہئے کہ صحابہ کرام نے جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ یہودی ہمیں طعن و تشنیع اور تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ان کا نبی انہیں اتنی چھوٹی چھوٹی باتیں سکھاتا ہے تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم (فداہ آبائنا وامھاتنا) نے ارشاد فرمایا: "ہاں' تم ڈنکے کی چوٹ کہو کہ ہمارے نبی نے ہمیں استنجا کرنے کے آداب بھی سکھائے ہیں"۔ تو ہمیں تو اپنے نبی کی تعلیمات پر اس طرح کا اعتماد ہونا چاہئے۔ ہم اپنی 'بنیاد

پرستی' پر معذرت خواہانہ رویّہ کیوں اختیار کریں؟ یہاں میں یہ عرض کرتا چلوں کہ جس زمانے میں میرے نام کے حوالے سے قومی و بین الاقوامی رسائل و جرائد میں خواتین کے پردے کا مسئلہ کثرت سے زیر بحث آرہا تھا' میرے پاس 'وال سٹریٹ جرنل' کا نمائندہ آیا تھا۔ انٹرویو کے دوران اس نے مجھ سے سوال کیا:

"Would you like to be called a fundamentalist ?" تو میں نے جواباً کہا تھا کہ یقیناً' مجھے اس لفظ کے اپنانے میں کوئی عار نہیں ہے۔ مغرب نے یہ لفظ ہمارے لئے گالی کے طور پر وضع کیا ہے۔ ہمیں چاہئے کہ ہم اس "گالی" کو سینے سے لگائیں اور انہیں بتا دیں کہ یہ تو ہمارے لئے باعثِ فخر ہے۔ البتہ 'بنیاد پرست' ہونے کے ساتھ ساتھ ہمیں روحِ عصر کے تقاضوں کا ساتھ بھی دینا ہے اور اس کے لئے میں سمجھتا ہوں کہ فکر اقبال ہمارے لئے بجا طور پر رہنمائی کا کام دے سکتا ہے جو اصلاً افکارِ قرآنی ہی کی تشریحات پر مشتمل ہے۔

(۳) ذرائع ابلاغ پر حکومتی کنٹرول

اسلام کی نام لیوا اور نظریۂ پاکستان سے وابستگی کا اظہار کرنے والی موجودہ حکومت کو ذرائع ابلاغ پر بھی خصوصی توجہ دینی ہوگی۔ مناسب ہوگا کہ ذرائع ابلاغ کو مادر پدر آزاد قرار نہ دیا جائے' بلکہ یہ لازماً حکومتی کنٹرول میں ہونے چاہئیں۔ ریڈیو اور ٹی وی کے ضمن میں ایسے حضرات کے مشورے سے پالیسی مرتب کی جائے جنہیں علمِ دین میں رسوخ حاصل ہے اور یہ طے کیا جائے کہ ان ذرائع ابلاغ کی ضرورت کس حد تک ہے اور کن چیزوں کے لئے ان کا استعمال جائز ہے۔ اس طرح اس شعبے کو صحیح اسلامی رنگ دے کر استعمال میں لایا جائے کہ اسلام کے ساتھ ہماری وابستگی کا یہی تقاضا ہے۔ اسی طرح اخبارات پر بھی مناسب قدغنیں لگنی چاہئیں تاکہ ہماری صحافت بھی مختلف نوع کی آلائشوں سے پاک ہو۔ اخبارات کے رنگین صفحات کے ذریعے عریانی و فحاشی کو جس طرح فروغ دیا جا رہا ہے اس کا فوری محاسبہ ہونا چاہئے۔ پاکستان سے باہر پوری دنیا میں ان رنگین ایڈیشنوں کا رواج نہیں ہے۔ اخبارات اگر اپنے رنگین ایڈیشن نکالنا چاہیں تو علیحدہ قیمت سے ہفتہ وار میگزین شائع کریں تاکہ انہیں وہی خریدیں جو ان کے طلبگار ہوں۔ آج صورت یہ ہے کہ جو شخص بھی اخبار پڑھنا چاہتا ہے اسے اس لعنت کو بھی

لازماً گلے لگانا پڑتا ہے۔

(۴) نظامِ تعلیم کی اصلاح

قوم کی کردار سازی اور نونہالانِ وطن کی صحیح نہج پر تعلیم و تربیت کے لئے اصل فیصلہ کن چیز نظامِ تعلیم ہے۔ ذرائع ابلاغ وقتی معاملات و مسائل کے ضمن میں لوگوں کے ذہنوں کو کسی خاص رخ پر ڈالتے ہیں جبکہ نظام تعلیم اگلی نسل کو کسی خاص رخ پر ڈھالنے میں مؤثر ہوتا ہے۔ نظام تعلیم کی تجدید اور اس کی اصلاح کے لئے بڑی جراُتِ رندانہ کی ضرورت ہوگی' لیکن بہرحال "Where there is a will, there is a way" کے مصداق اگر عزم مصمم موجود ہو تو کم از کم اس وقت کوئی رکاوٹ سامنے نہیں آنی چاہئے۔ نظام تعلیم کے سلسلے میں مندرجہ ذیل نکات خاص طور پر قابل توجہ ہیں:

(i) قدیم و جدید تعلیم کو یکجا کیا جانا ضروری ہے۔ فی الوقت دونوں کے مابین فرق و تفاوت کی ایک وسیع خلیج حائل ہے اور اس کی وجہ سے ہماری قومی و ملی زندگی ایک عجب الجھاؤ سے دوچار ہے۔ ایک طرف دینی تعلیم کی لمبی لمبی سندیں رکھنے والوں میں سے اکثر کا حال یہ ہوتا ہے کہ علوم جدیدہ کا تو ذکر ہی کیا' خود دینی علوم کی مبادیات تک سے ناواقف ہوتے ہیں۔ ایک صاحب نے جو پاکستان ایر فورس میں امام یا خطیب بھرتی کئے جانے کے شعبے سے منسلک ہیں' ایک مرتبہ مجھے بتایا کہ ان اسامیوں کے لئے بعض امیدوار ایسے بھی آتے ہیں کہ ان سے اگر صحاح ستہ کے نام پوچھے جائیں تو سوائے بخاری و مسلم کے کسی تیسری کتاب کا نام انہیں معلوم نہیں ہوتا' اگرچہ بڑی طویل اور خوشنما سندیں ان کی بغل میں ہوتی ہیں۔ دینی تعلیم کے اس قدر پست معیار کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ حکومت اگر کوئی یونیورسٹی قائم کرنا چاہے تو اس کے لئے لمبی چوڑی منصوبہ بندی ہوتی ہے' چارٹر بنتے ہیں' کمیٹیاں تشکیل پاتی ہیں اور سروے کئے جاتے ہیں' تب کہیں جا کر یونیورسٹی کا قیام ممکن ہوتا ہے' جبکہ ادھر یہ صورتحال ہے کہ ایک مولوی صاحب دو چار بچوں کو قرآن پڑھانے کے لئے ایک کمرے میں بیٹھ جائیں یا عربی کلاس کھول لیں تو باہر جامعہ (یونیورسٹی) کا بورڈ لگا لیتے ہیں۔ دوسری طرف ہمارے سکولوں اور کالجوں کا معیارِ تعلیم بھی کوئی قابل رشک نہیں ہے۔ نظام تعلیم کی بہتری کے لئے ضروری ہے کہ دینی و دنیوی تعلیم کا ایک مربوط نظام قائم کیا جائے۔

(ii) امراء و غرباء کے لئے مختلف نظام تعلیم کا ہونا ایک بہت بڑی لعنت ہے۔ اس کا خاتمہ ضروری ہے۔ بچہ چاہے امیر کا ہو یا غریب کا' اس قوم کا مستقبل ہے اور اس کی تعلیم و تربیت ہماری قومی ذمہ داری ہے اور اس معاملے میں امیر اور غریب کی تفریق قومی و ملی اعتبار سے مہلک ہے۔ چنانچہ سب کے لئے یکساں نظام تعلیم کا اہتمام وقت کی اہم ضرورت ہے!

(iii) مشنری تعلیمی ادارے اقلیتوں کے لئے مخصوص کئے جائیں اور یہ لازم کر دیا جائے کہ وہاں کوئی مسلمان داخل نہیں ہو گا۔ مسلمان بچوں کا وہاں تعلیم پانا عقل و منطق کے بھی منافی ہے اور دین و مذہب کے اعتبار سے بھی شدید نقصان دہ!

(۵) سماجی اور معاشی عدل و انصاف

جہاں تک سیاسی عدل اور اس کے ضمن میں جمہوریت کا تعلق ہے تو الحمدللہ کہ یہ گاڑی تو کچھ نہ کچھ چل پڑی ہے' اللہ نگاہ بد سے محفوظ رکھے۔ دعا کریں کہ اس میں کوئی رکاوٹ اور رخنہ اندازی نہ ہو۔ سیاسی عمل میں تھوڑا سا وقفہ بھی ہمیں بہت پیچھے لے جاتا ہے۔ تقسیم ہند سے قبل ہم کبھی ہندوؤں سے پیچھے نہیں رہے' ہمیشہ شانہ بشانہ ان کا مقابلہ کیا ہے۔ اس صدی کے پورے نصفِ اول میں انہیں ہم پر کسی میدان میں کوئی برتری حاصل نہ تھی' لیکن قیام پاکستان کے بعد ہم سیاسی اعتبار سے ان سے بہت پیچھے چلے گئے' سالہا سال تک ہم نہ تو کوئی دستور بنا سکے اور نہ ملک کی گاڑی کو جمہوریت کی پٹڑی پر چلا سکے۔ بار بار کا مارشل لا' ہماری سیاسی نابالغی کا ثبوت تھا...... لیکن اب اللہ کے فضل سے جیسے تیسے گاڑی پٹڑی پر چل پڑی ہے۔ اب اصل مسئلہ سماجی اور معاشی عدل کے حصول کا ہے۔

اس ضمن میں ایک بات کہنے کی جسارت کر رہا ہوں کہ معاشی میدان میں اسلام کے نظام عدل کے لئے مناسب ترین تعبیر "اسلامی سوشلزم" کی ہے۔ اصلاً یہ اصطلاح قائد اعظم نے استعمال کی تھی جسے بعد میں کچھ ملحدوں اور مادہ پرستوں نے اغوا کر لیا۔ ہمیں ان سے یہ اصطلاح واپس چھین لینی چاہئے۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے ہمارے ہاں منکرین سنت نے اپنے آپ کو "اہلِ قرآن" قرار دے دیا اور ہمارے علماء نے یہ غلطی کی کہ انہیں "اہل قرآن" ہی کہنا شروع کر دیا۔ میں کہا کرتا ہوں کہ یہ تو قبضۂ مخالفانہ ہے

اگر کوئی آپ کی ایک گز زمین پر قبضہ کر لے تو آپ مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں' لیکن محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا عطا کیا ہوا "اہل قرآن" کا خطاب ہم نے ان لوگوں کو الاٹ کر دیا جو حدیث و سنتِ رسول کے منکر ہیں۔ حالانکہ یہ خطاب تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں دیا تھا[ل] اسی طرح اسلامی سوشلزم کی اصطلاح درحقیقت ہماری ہے۔ معمارِ پاکستان قائد اعظم نے اسے متعارف کرایا اور جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے مصورِ پاکستان علامہ اقبال نے بھی اس سے ملتا جلتا تصور پیش کیا تھا۔ اسے مادہ پرستوں اور ملحدوں کے قبضے میں کیوں رہنے دیا جائے؟

یہاں ایک وضاحت ضروری ہے کہ اصولاً نہ تو اسلام میں کسی اور نظام کی پیوند کاری ہو سکتی ہے اور نہ ہی اسلام کے کسی جزو کی پیوند کاری کسی اور نظام میں ہو سکتی ہے' لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ اسلام کے نظام میں سوشلزم اور جمہوریت دونوں سے مشابہت رکھنے والی چیزیں موجود ہیں...... اور تفہیم کی غرض سے ان جدید اصطلاحات کے حوالے سے بات کرنا ضروری ہوتا ہے جیسے مولانا مودودی مرحوم نے اسلامی ریاست کے لئے تھیوکریسی اور ڈیموکریسی کو جمع کر کے بجا طور پر "تھیوڈیموکریسی" کی اصطلاح ایجاد کی۔ اس میں ایک جزو مذہب کا ہے اور ایک جمہوریت کا' اور یہ عوامی خلافت (Popular Vicegerency) کے ہم معنی ہے۔ اس کے برعکس عوامی حاکمیت (Popular Sovereignty) کا تصور غیر اسلامی ہے جس کے معنی ہیں خالص اور بے خدا جمہوریت' جو شرک ہے۔ اسی طرح ہمارے ہاں "اسلامی جمہوریت" کی اصطلاح بھی استعمال کی جاتی ہے۔ اگر یہ اصطلاحات استعمال ہو سکتی ہیں تو "اسلامی سوشلزم" کی اصطلاح میں کیا قباحت ہے؟ اس سے بلاوجہ الرجک ہونے کی بجائے ہمیں اسے اپنانا

[ل] حدیث مبارک کے الفاظ ہیں:

يَا أَهْلَ الْقُرْآنِ لَا تَتَوَسَّدُوا الْقُرْآنَ، وَاتْلُوهُ حَقَّ تِلَاوَتِهِ فِي آنَاءِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَتَغَنَّوْهُ وَتَدَبَّرُوا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ٥

"اے قرآن والو، قرآن کو تکیہ نہ بنا لینا! اس کو پڑھو جیسا کہ اس کے پڑھنے کا حق ہے، رات اور دن کے اوقات میں، اسے خوش الحانی سے پڑھا کرو، اسے پھیلاؤ اور اس میں تدبّر کیا کرو تاکہ تم فلاح پاؤ!"

چاہئے۔ اس لئے کہ اسلام کے عطا کردہ معاشی عدل کے تصور سے یہی اصطلاح قریب ترین ہے۔ البتہ ہمارا آئیڈیل نہ چینی سوشلزم ہے اور نہ سکنڈے نیوین سوشلزم' بلکہ وہ سوشلزم ہے جو ہمیں خلافت راشدہ میں نظر آتا ہے۔ ہمیں ایسی مساوات درکار ہے کہ ایک عام شہری کو یہ حق حاصل ہو کہ وہ خلیفۂ وقت کو اس کی غلطی پر ٹوک سکے اور خطبے کے دوران پوچھ سکے کہ آپ کا یہ کرتہ کیسے بنا؟

معاشی عدل کے ضمن میں اب میں مختصراً چند اقدامات کا ذکر کروں گا جو موجودہ حکومت کو سرانجام دینے چاہئیں:

(i) **نظامِ زکوٰۃ کا نفاذ:** یہ بات جان لیجئے کہ صرف بنک ڈیپازٹس پر اڑھائی فیصد کٹوتی کر لینے سے "زکوٰۃ" کا تقاضا پورا نہیں ہو جاتا بلکہ یہ تو زکوٰۃ کو بدنام کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ جب تک کُل اموال تجارت پر جو اموالِ ظاہرہ کہلاتے ہیں' زکوٰۃ عائد نہیں کی جائے گی' نظام زکوٰۃ کے قیام کی طرف پیش رفت ممکن نہیں! اس طور پر اگر زکوٰۃ وصول کی جا سکے تو انشاء اللہ اتنی کثیر رقم جمع ہو جائے گی کہ انکم ٹیکس کی مصیبت پالنے کی ضرورت نہیں ہوگی۔ پھر تو اس لعنت کو ختم کر دینے ہی میں عافیت ہوگی جس نے اکثر لوگوں کو جھوٹ بولنے پر مجبور کر رکھا ہے۔ بلکہ اگر زکوٰۃ کا نظام صحیح طور سے نافذ کر دیا جائے تو مجھے یقین ہے کہ دیگر ٹیکسوں کی ضرورت بھی باقی نہیں رہے گی۔

(ii) **جوا اور لاٹری کا خاتمہ:** جوئے کی جتنی بھی شکلیں ہیں' خواہ وہ لاٹری کے نام سے ہوں یا پرائز بانڈز کے نام سے' انہیں فوری طور پر ختم کرنے میں کوئی چیز مانع نہیں ہے لہٰذا ان تمام چیزوں کو بلا تاخیر ممنوع قرار دینا چاہئے!

(iii) **سود کا بتدریج خاتمہ:** اسی طرح بچت وغیرہ کی مختلف اسکیموں کے نام سے جو سودی ترغیبات ہیں انہیں یک لخت ختم کیا جانا چاہئے۔ ڈیفنس سرٹیفکیٹ کے نام پر قوم کو سود خوری کی جو لت ڈالی جا رہی ہے خود اپنے ملک کے دفاع کے لئے وہ انتہائی مضحکہ خیز ہی نہیں' نہایت شرمناک بھی ہے کہ شہریوں سے قرض لیا جائے اور سود خور اس پر بھی سود کا مطالبہ کرتے ہوں' میں سمجھتا ہوں کہ یہ ملک و قوم کے ساتھ غداری کے مترادف ہے۔ اور بلاشبہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے ساتھ اعلانِ جنگ تو ہے ہی! لہٰذا ایسی سکیموں کا فوری طور پر خاتمہ ہونا چاہئے۔ البتہ کاروباری معاملات اور بینکنگ کے

نظام میں سے سود کے عنصر کو نکالنے کے لئے یقیناً تدریج کی ضرورت ہوگی۔ اس ضمن میں بعض ماہرینِ اقتصادیات نے خاصا کام کیا ہے۔ اس سے استفادہ کرتے ہوئے اس سمت میں مزید پیش رفت کی ضرورت ہے۔ میں آج سوچ رہا تھا کہ شاید اللہ تعالیٰ نے پاکستان کی قسمت کچھ کشمیریوں کے ساتھ وابستہ کردی ہے۔ علامہ اقبال کشمیری تھے' موجودہ وزیر اعظم نواز شریف صاحب بھی کشمیری ہیں۔ اور ایک کشمیری سکالر شیخ محمود احمد صاحب جن کا حال ہی میں انتقال ہوا ہے' بلا سود بنکاری پر بڑا کام کر گئے ہیں۔ ان کی کتابیں "سود کی متبادل اساس" اور "Towards Interest - free Banking" میرے نزدیک بڑی گرانقدر کتابیں ہیں اور ان سے بینکنگ کے نظام میں ایک بہت بڑا انقلاب لایا جا سکتا ہے۔

(iv) زمینداری اور مزارعت کا خاتمہ : معاشی عدل کے ضمن میں زمینداری' جاگیرداری اور مزارعت کا خاتمہ وقت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ بلاشبہ یہ ایک بہت بڑا قدم ہوگا۔ اس ضمن میں ایک عملی تجویز میں نے اس سے قبل بھی پیش کی تھی اور آج ساڑھے آٹھ سال بعد اسے دہرا رہا ہوں۔ میاں محمد شفیع صاحب یہاں موجود ہیں' ان کی موجودگی ہی میں میں نے ضیاء الحق صاحب کی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں یہ تجویز پیش کی تھی۔ میں نے اُس وقت بھی یہ بات کہی تھی اور آج بھی اسے آپ کے سامنے رکھنا چاہتا ہوں کہ خدا کے لئے یہ نہ سمجھئے کہ زمینوں کا جو نظام انگریز چھوڑ گیا ہے وہ کوئی مقدس نظام ہے۔ ہم نے یہ سمجھ رکھا ہے کہ جس کی ملکیت میں جس قدر رقبۂ زمین ہے وہ شاید اللہ اور رسول کی طرف سے اسے الاٹ ہوا ہے کہ اب اس میں کوئی کمی بیشی نہیں کی جا سکتی! میں نے عرض کیا تھا کہ ہمارے ہاں ماضی میں دو مرتبہ زرعی اصلاحات کا غلغلہ بلند ہوا' لیکن ان سے کوئی حقیقی فرق واقع نہیں ہوا۔ یہاں سنار کی کھٹ کھٹ کارگر نہیں ہو سکتی' بلکہ یہاں تو لوہار کے ہتھوڑے کی ضرورت ہے۔ چنانچہ میری تجویز تھی کہ ایک لینڈ کمیشن قائم کیا جائے جس میں اجتہادی ذہنیت رکھنے والے علماء کرام اور بندوبستِ اراضی کے ماہرین کو جمع کیا جائے۔ یہ کمیشن اس مسئلے پر غور و خوض کرکے اس کا ممکنہ حل تلاش کرے۔ شریعت کے حوالے سے ہمارے سامنے دو راستے موجود ہیں' جن میں سے کسی ایک کو بھی اختیار کرلیا جائے تو یہ مسئلہ حل ہو سکتا ہے۔ ایک یہ کہ

مزارعت (Absentee Landlordism) کے بارے میں امام اعظم امام ابوحنیفہ رحمتہ اللہ علیہ کے فتوے کو اختیار کیا جائے جس کی رو سے یہ مطلقاً حرام ہے اور اس کی کوئی صورت جائز نہیں۔ ان کا موقف یہ ہے کہ اگر کسی کے پاس زمین ہے تو وہ اسے خود کاشت کرے، ورنہ اپنے بھائی کو دے دے کہ وہ اسے اپنے تصرف میں لائے۔ اپنے بھائی کے خون پسینے کی کمائی میں سے ایک حبّہ لینا بھی اس کے لئے جائز نہیں ہے۔ فقہ حنفی میں مزارعت کے جواز کی جو صورتیں ہیں وہ صاحبین (امام محمد اور قاضی ابو یوسف) کے فتویٰ کے مطابق ہیں۔ تاہم ہمارے ہاں مزارعت کی جو شکل مروّج ہے وہ تو صاحبین کے فتوے کی رو سے بھی ناجائز اور حرام ہے۔ امام ابوحنیفہ کے علاوہ امام مالک نے بھی مزارعت کو مطلقاً حرام قرار دیا ہے۔ امام شافعی نے صرف اس کھیت یا زمین میں مزارعت کی اجازت دی ہے جو باغ کے تابع ہو۔ عام کھیت میں مزارعت ان کے نزدیک بھی حرام ہے۔ شریعت اسلامی کے اس قانون کو نافذ کرکے زمینداری و جاگیرداری کی جڑ کاٹی جاسکتی اور معاشی عدل کے لئے راہ ہموار کی جاسکتی ہے۔

اس ضمن میں دوسرا قابل عمل راستہ یہ ہے کہ خلیفۂ راشد حضرت عمرفاروق رضی اللہ عنہ کے اجتہاد کے مطابق پاکستان کی تمام زمینوں کو عشری کے بجائے خراجی قرار دیا جائے اور انہیں براہ راست حکومت کی تحویل میں لے لیا جائے۔ حضرت عمرؓ کے اجتہاد کی رو سے جس پر صحابہ کرامؓ کا اجماع بھی ہوگیا تھا، ایسی تمام زمینیں اور علاقے جو مسلمانوں نے بزور شمشیر فتح کئے ہوں کسی کی ذاتی ملکیت میں نہیں رہتے، بلکہ بیت المال کی ملکیت ہوتے ہیں۔ اور ان پر کام کرنے والے حکومتِ وقت کو خراج ادا کرتے ہیں جو براہ راست بیت المال میں جمع ہوتا ہے۔ اس اجتہاد کی روشنی میں پاکستان کی تمام زمینیں بھی خراجی قرار پاتی ہیں، انہیں بزور شمشیر فتح کیا گیا تھا، لہٰذا یہ کسی کی ذاتی ملکیت نہیں ہیں۔ زمینداری اور جاگیرداری کو ختم کرنے کے لئے یہ دو راستے ہیں۔ ایک عزم اور ارادے کے ساتھ ان راستوں کو کھولئے تو انشاء اللہ معاشی عدل و انصاف کی راہ میں حائل مزید رکاوٹیں دور ہوتی چلی جائیں گی۔

سفر ہے شرط مسافر نواز بہتیرے ہزارہا شجر سایہ دار راہ میں ہے!

میں سمجھتا ہوں کہ مسلم لیگ کی نو منتخب حکومت فی الوقت اس پوزیشن میں ہے کہ ایسی

لعنتوں کو ختم کرنے کے لئے مثبت اور فیصلہ کن اقدام کرے ۔ اس کے لئے اسے پوری سہولتیں حاصل ہیں ۔ انتخابات میں اسے واضح اور فیصلہ کن اکثریت حاصل ہوئی ہے اور ہر چہار طرف سے اسے تعاون حاصل ہے ۔ یہ کوئی اقدام کرنا چاہے تو نہ دستور اس کی راہ میں حائل ہو سکتا ہے اور نہ کوئی دیگر سیاسی رکاوٹ اس کا راستہ روک سکتی ہے ۔ مجھے شدید اندیشہ ہے کہ اگر ہم نے یہ موقع بھی ضائع کر دیا اور اسلام کے سماجی و معاشی عدل کی طرف کوئی پیشقدمی نہ کی تو پھر شاید قیامت تک اس کی نوبت نہ آئے ۔

(۵) اسلامی قانون سازی

اسلامی قانون سازی کی طرف مثبت پیش رفت بھی وقت کا اہم تقاضا اور حکومت کی اولین ذمہ داری ہے ۔ اس ضمن میں ہمارے سامنے دو راستے کھلے ہوئے ہیں ۔ ایک راستہ تو ' شریعت بل ' کا ہے جو میری دانست میں ایک بہت لمبا راستہ ہے ۔ اس کی راہ میں سینٹ ' اسمبلی اور بہت سی دیگر رکاوٹیں حائل ہیں ...... برسوں میں اس نے ایک رکاوٹ (سینٹ) عبور کی ہے اور اس کی قیمت اسے بہت سی ترمیمات کی صورت میں دینی پڑی ہے جس میں سود خوروں کے تحفظات بھی شامل ہیں ۔ باقی رکاوٹیں عبور کرتے کرتے اس کی صورت نہ جانے کیا سے کیا ہو جائے گی ۔ میرے نزدیک شریعت بل اگر اپنی اصل شکل میں منظور ہو جائے تو یہ بھی ایک مستحسن اور درست راستہ ہے ۔ لیکن ایک دوسرا راستہ بھی ہے جسے میں زیادہ فطری اور اہم تر خیال کرتا ہوں ۔ اور الحمدللہ اس راستے پر ہم بہت پہلے سفر شروع کر چکے ہیں ۔ قرارداد مقاصد کی منظوری ' اس کا دستور کا جزو بننا ' اسلامی نظریاتی کونسل اور پھر وفاقی شرعی عدالت کا قیام اسی راستے کے اہم سنگ ہائے میل ہیں ۔ تاہم اس سمت میں مزید پیش رفت کی ضرورت ہے ۔ اس وقت وفاقی شرعی عدالت جو دستور کا جزوِ لاینفک ہے ' اس کے دائرہ اختیار پر عائد شدہ تمام حدود و قیود کو فوری طور پر ختم کیا جانا چاہئے ۔ اسی طرح شریعت کورٹ کا دائرہ کار بغیر کسی استثناء کے ' پوری زندگی کے معاملات پر محیط ہونا چاہئے ۔ اس شعبے میں جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب کی تقرری صحیح سمت میں ایک قدم ہے ۔ جسٹس صاحب واقعتہً ہمارے ملک کے واحد شخص ہیں جنہوں نے فقہ اسلامی کو جدید انداز میں مرتب کرنے کی کوشش کی ہے ۔

احباب جانتے ہیں کہ علامہ اقبال فقہ اسلامی کی تدوینِ نو کی شدید خواہش رکھتے تھے اور انہوں نے اس کے لئے مولانا انور شاہ کشمیری سے بارہا لاہور آجانے کی فرمائش بھی کی تھی، تاکہ خود علامہ اقبال جو جدید قانون کے ماہر تھے اور مولانا کشمیری جو حدیث و فقہ کا گہرا علم رکھتے تھے مل کر فقہ اسلامی کی تدوین نو کا کام کر سکتے، مگر علامہ مرحوم کی یہ خواہش ان کے ساتھ ہی قبر میں چلی گئی اور یہ کام نہیں ہو سکا۔ قیام پاکستان کے بعد اس کام کو اولیت دی جانی چاہئے تھی اور ہمارے بڑے بڑے اداروں کو یہ کام کرنا چاہئے تھا، لیکن یہ کام مؤخر ہوتا چلا گیا۔ اب بحمد اللہ جسٹس تنزیل الرحمٰن صاحب نے اس کام کو صحیح رخ پر ڈالا ہے۔ اسلامی قانون سازی کے ضمن میں اس وقت اہم ترین کام، جیسا کہ میں نے ابھی عرض کیا، یہ ہے کہ وفاقی شرعی عدالت کو جو بیڑیاں پہنا دی گئی ہیں وہ کھول دی جائیں۔ یہ ہمارے مسلمان ہونے کا تقاضا ہے کہ ہم اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے کسی گوشے کو شریعت سے مستثنیٰ نہ رکھیں، ورنہ ہم شریعت کے ایک حصے کو ماننے اور ایک حصے کو نہ ماننے کے مجرم اور قرآنی حکم کی اس شدید وعید کا مصداق ٹھہریں گے جو سورۃ البقرہ میں وارد ہوئی ہے:

اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ
ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ
اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ (البقرة: ۸۵)

"کیا تم (ہماری) کتاب (و شریعت) کے ایک حصے کو مانتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو؟ پھر جو کوئی بھی تم میں سے یہ روش اختیار کرے گا اس کی سزا دنیا میں رسوائی کے سوا اور کچھ نہیں۔ اور قیامت کے دن (ایسے لوگوں کو) شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے گا۔ اور اللہ تعالیٰ اس سے غافل نہیں جو تم کرتے ہو!"

زندگی ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے اور دین اسلام اس پوری حیاتیاتی اکائی (Organ-ic Whole) پر اپنا تسلط و اقتدار چاہتا ہے۔ چنانچہ شریعت کے معاملہ میں استثناءات فوری طور پر ختم ہونی چاہئیں۔ شریعت کورٹ کا راستہ آپ کے دستور میں معیّن ہے۔ آپ صرف اتنا کیجئے کہ دستور کی دفعہ ۲۰۳ بی کی شق سی میں شریعت کورٹ پر جو پابندیاں عائد کی گئی ہیں انہیں ختم کر دیجئے، اسلامی قانون سازی کا راستہ کھل جائے گا اور قانون

شریعت فطری انداز میں زندگی کے تمام گوشوں میں نافذ ہوتا چلا جائے گا۔

میں ملک کے تمام اصحابِ علم و دانش کو دعوت دیتا ہوں کہ میری معروضات پر غور کریں اور ان مسائل پر جرأت کے ساتھ کھل کر اظہار خیال کریں۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو موقع اب عطا کیا ہے اس طرح کے مواقع روز روز نہیں آیا کرتے۔ اور اگر یہ موقع بھی ہاتھ سے نکل گیا تو ہمارے پاس سوائے کفِ افسوس ملنے کے اور کچھ نہیں رہ جائے گا!! **اقول قولی ھذا واستغفر اللہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات**

مکتبہ الفضل کراچی کی پیش کش

امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد کے دو اہم خطابات:

(۱)

اسلامی انقلاب کے لیے التزامِ جماعت اور لزومِ بیعت

عمدہ سرورق، صفحات ۸۲، قیمت -/۱۰ روپے

(۲)

جہاد بالقرآن اور اس کے پانچ محاذ

خوشنما سرورق، صفحات ۹۸، قیمت -/۱۲ روپے

ملنے کے پتے

۱) مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶- کے، ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰

۲) انجمن خدام القرآن سندھ، ۱۱ داؤد منزل شاہراہ لیاقت، کراچی۔

جہاد و قتالِ فی سبیل اللہ کے موضوع پر
قرآن حکیم کی جامع ترین سورۃ
سُورۃ الصَّف

(۵)

نبی اکرمؐ کے مشن کا لازمی تقاضا
جہاد فی سبیل اللہ

اَحْمَدُہٗ وَاُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْم ۔ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْم ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْم ○

سورۃ الصّف کے عمود کی تعیین اور اس کی مرکزی آیت کے اکثر حصے پر غور و فکر کر لینے کے بعد اب آیئے کہ ہم اس سورۂ مبارکہ پر بحیثیت مجموعی غور کریں۔ لیکن اس سے قبل اس سورۃ کی مرکزی آیت یعنی آیت ۹ کے آخری ٹکڑے کے حوالے سے ایک اور عظیم حقیقت کی طرف توجہ کرنا مفید ہوگا۔

آیت کے آخری ٹکڑے کا مفہوم

جیسا کہ عرض کیا جا چکا ہے سورۃ الصف کی وہ مرکزی آیت قرآن مجید میں تین مقامات پر آئی ہے۔ ایک مقام پر اس کا اختتام " وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا " کے الفاظ پر ہوتا ہے۔ اس میں تو گویا اشارہ ہے اُسی بات کی طرف جو اس سے پہلے سورۃ الحج کے آخری رکوع کے

درس کے ضمن میں عرض کی جا چکی ہے کہ رسول اگر اپنا فرضِ منصبی ادا کر دیں تو گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔ اس حوالے سے سیرتِ طیبہ کا وہ اہم واقعہ ذہن میں تازہ ہو گیا ہو گا کہ حجۃ الوداع کے موقعے پر آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام حاضرین سے یہ گواہی لینے کے بعد کہ میں نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا، آسمان کی طرف نگاہ اٹھا کر اللہ تعالیٰ سے بھی عرض کیا: اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ اَللّٰھُمَّ اشْھَدْ! کہ اے اللہ تو بھی گواہ رہ۔ میرے پاس تیری دو امانتیں پہنچی تھیں۔ ایک تیری کتاب، جسے میں نے امت تک بلاکم وکاست پہنچا دیا، حقِ تبلیغ ادا کر دیا۔ دوسرے دینِ حق، جسے تیری تائید اور اپنے صحابہ کے تعاون سے میں نے تیئس سالہ محنتِ شاقہ کے نتیجے میں جزیرہ نمائے عرب پر بالفعل قائم کر دیا۔ اب یہاں تیرا ہی بول بالا ہے، تیرا ہی حکم نافذ ہے اور تیرا ہی جھنڈا سب سے بلند ہے۔ وَکَفٰی بِاللّٰہِ شَہِیْدًا۔ اس کی شہادت اور گواہی کے لیے اللہ کافی ہے۔

بقیہ دو مقامات پر یعنی سورۃ التوبہ اور سورۃ الصف میں یہ آیت " وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ" کے الفاظ پر ختم ہوئی ہے ——— " چاہے یہ مشرکوں کو کتنا ہی ناگوار ہو" ——— اس میں اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ تصادم ناگزیر ہے۔ مشرک کبھی گوارا نہ کریں گے کہ اللہ کا دین یہاں قائم ہو، وہ نظامِ عدل و قسط عملاً برپا ہو جائے جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے ہیں۔ کفر اور شرک کی قوتیں دینِ حق کے لیے آسانی سے راستہ نہیں چھوڑیں گی۔ وہ لازماً RETALIATE کریں گی۔ تصادم ہو کر رہے گا، کش مکش ہو گی۔ لیکن اس سب کے علی الرغم، اس سب کے باوجود رسولؐ کا فرضِ منصبی ہے کہ اُس دین کو قائم کرے، اُسے غالب و نافذ کرے جو اللہ نے اُسے دے کر بھیجا ہے۔

مذہبی اور سیاسی شرک کا گٹھ جوڑ

یہاں ایک بات اور سمجھ لینی چاہیئے اور اس کا تعلق ہمارے اِس منتخب نصاب میں شرک کی بحث سے جڑ جاتا ہے۔ شرک کے بارے میں یہ خیال بڑا عامیانہ اور سطحی سا ہے کہ اس کا تعلق محض مخصوص مذہبی اُمور کے ساتھ ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ دنیا میں تاریخ نسلِ انسانی کے دوران ہر دور میں اور ہر خطۂ زمین میں شرک کے دو نظام ہمیشہ قائم رہے ہیں۔ ایک مذہبی شرک اور دوسرا سیاسی شرک۔ انہی دو راستوں سے درحقیقت نوعِ انسانی

کا استحصال ہوتا چلا آیا ہے۔ ایک شکل تو یہ ہے کہ کوئی پنڈت، کوئی پروہت، کوئی پادری، کوئی پجاری یا کوئی پیر کسی آستانے کا مجاور بن کر یا کسی بتکدے کا پروہت یا پجاری بن کر لوگوں کی گردنوں پر سوار ہوتا ہے۔ مذہب کے نام پر عوام کے گاڑھے پسینے کی کمائی میں سے نذرانے اور چڑھاوے وصول کرتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ معاشی استحصال (ECONOMIC EXPLOITATION) کی انتہائی مکروہ صورت ہے بقول شاعر ؎

مانگنے والا گدا ہے صدقہ مانگے یا خراج

دوسری جانب بادشاہت نے نظام کی صورت میں سیاسی شرک کا نظام تاریخ انسانی کے ہر دور میں قائم رہا ہے۔ چنانچہ تاریخ کے اوراق پر نظر دوڑائیں تو نظر آتا ہے کہ کہیں یورپ میں 'DIVINE RIGHTS OF KINGS' (بادشاہوں کے خدائی اختیارات) کا راگ الاپا جا رہا ہے اور کہیں ہندوستان میں سورج بنسی اور چندر بنسی خاندانوں کی حکمرانی کا سلسلہ رواں ہے۔ یہ بادشاہ اور ملوک اپنے اقتدار و اختیار کے بل پر عوام سے خراج اور نذرانے وصول کرتے تھے اور اس طرح انسانی تاریخ میں یہ دونوں مشرکانہ نظام ہاتھ میں ہاتھ ڈالے ایک دوسرے سے تعاون کرتے نظر آتے ہیں۔ ادھر مذہبی طبقات کی طرف سے بادشاہِ وقت کو 'HIS HOLINESS' کا خطاب مل رہا ہے تو ادھر سے انہیں 'DEFENDERS OF THE FATE' کے خطاب سے نوازا جا رہا ہے۔ ؏ من ترا حاجی بگویم تو مرا ملا بگو۔ یہ مذہبی شرک اور سیاسی شرک کے دو نظام جو ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرتے ہوئے ایک دوسرے کے متوازی چلتے رہے اور جنہوں نے انسانوں کی گردنوں پر اپنی خدائی کا جوا ڈالے رکھا، ظاہر بات ہے وہ کبھی گوارا نہیں کر سکتے تھے کہ یہ سارا تانا بانا ٹوٹ کر رہ جائے اور یہ سارے مفادات اُن واحد میں ختم ہو جائیں۔

علامہ اقبال نے اسی پس منظر میں کہا تھا ؎

میں ناخوش و بیزار ہوں مرمر کی سلوں سے
میرے لیے مٹی کا حرم اور بنا دو!
کیوں خالق و مخلوق میں حائل رہیں پردے
پیران کلیسا کو کلیسا سے اٹھا دو!

اسلام ہے وہ نظام جو ان درمیانی واسطوں کو ختم کرنے آیا ہے، جو یہ پیغام لے کر آیا

ہے کہ جہاں چاہو اور جب چاہو خدا سے ہم کلام ہو جاؤ: " وَاِذَا سَاَلَکَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ اُجِیْبُ دَعْوَۃَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّھُمْ یَرْشُدُوْنَ "[1] وہ انسان پر سے انسان کی خدائی کا نام و نشان مٹانا چاہتا ہے۔ ع تمیز بندہ و آقا فسادِ آدمیت ہے۔ یہاں کوئی کسی کا آقا نہیں اور کوئی انسان کسی دوسرے انسان کا بندہ نہیں۔ کُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا! سب اللہ کے بندے اور آپس میں بھائی بھائی بن جاؤ۔ تمہارے مابین قوم، نسل اور رنگت کے اعتبار سے کوئی اونچ نیچ نہیں ہے، کوئی تفریق نہیں ہے۔ یہ ہے وہ انقلابی پیغام جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لے کر آئے۔ ان اصولوں پر مبنی نظام کا قیام ظاہر بات ہے کہ اس مشرکانہ اور باطل نظام کے لیے بہت بڑا چیلنج ہے جہاں اس نظام سے لوگوں کے مفادات وابستہ ہوں۔ اس لیے فرمایا: " وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ " کہ مشرکین کی طرف سے تو مخالفت ہو کر رہے گی۔ وہ کبھی نہیں چاہیں گے کہ یہ نظام عدل و قسط دنیا میں قائم اور برپا ہو جائے۔ انسانوں کی گردنوں پر سے دو طرفہ غلامی کے جوئے اٹھا دیئے جائیں اور ان کی گردنوں میں سے وہ طوق اتار دیئے جائیں جن کے بوجھ تلے نوعِ انسانی ہمیشہ دبی اور سسکتی رہی ہے۔ سورۃ الاعراف میں حضورؐ کی یہ شان ان الفاظ میں بیان ہوئی: " وَیَضَعُ عَنْھُمْ اِصْرَھُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْھِمْ "۔

آنحضورؐ کے مشن کا لازمی تقاضا، جہاد فی سبیل اللہ!

بہرحال اس آخری ٹکڑے یعنی " وَلَوْ کَرِہَ الْمُشْرِکُوْنَ " کے ضمن میں اس مختصر سی وضاحت کے بعد اب یہ بات جان لیجئے کہ سورۃ الصف میں حضورؐ کے اس مقصدِ بعثت کی تعیین کے بعد اس کے لازمی تقاضے کی حیثیت سے اب مضمون آ رہا ہے جہاد فی سبیل اللہ کا، کہ اے اہلِ ایمان اب اس مشن

---

[1] ترجمہ " اور (اے نبیؐ) جب میرے بندے آپ سے میرے بارے میں سوال کریں تو (انہیں بتا دیں کہ) میں قریب ہی ہوں۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار (کو سنتا اور اس) کا جواب دیتا ہوں جب وہ مجھے پکارتا ہے۔ تو چاہیئے کہ وہ بھی میرا کہا مانیں اور مجھ پر یقین رکھیں تاکہ رشد و کامیابی سے ہمکنار ہو سکیں۔" (سورۃ البقرۃ آیت ۱۸۶)

کی تکمیل کے لیے کمرِ ہمّت کس لو! ــــــ دین اللہ کا ہے، اس کو غالب کرنا فرضِ منصبی ہے محمد رسول اللہ کا۔ صلّی اللہ علیہ وسلم۔ تو اب اللہ اور اس کے رسول کے ماننے والوں اور ان پہ ایمان کے دعویداروں کا یہ فرضِ منصبی ہے کہ اس مقصد کے حصول اور اِس مشن کی تکمیل کے لیے اپنے آپ کو لگادیں اور کھپادیں۔ اس مقصد کے لیے جدوجہد کریں، کوششیں کریں اور اس راہ میں اپنے مال لگائیں، اپنی جانیں کھپائیں، اپنی قوتیں صرف کریں اور اپنے اوقات لگائیں کہ یہ اُن کے ایمان کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ بات ظاہر ہے کہ اللہ کے دین کو برپا کرنا اور اسے قائم و نافذ کرنا کسی ایک فردِ بشر کا کام نہیں۔ یہ ایک نہایت عظیم کام اور بہت اونچا نصب العین ہے اور اس کے لیے ایک بڑی بھرپور اجتماعی جدوجہد کی ضرورت ہے۔ اس اجتماعی جدوجہد میں نبیؐ کے دست و بازو بننا، اُنؐ کا ساتھ دینا، ان کی نصرت کرنا اور جہاں ان کا پسینہ گرا ہو وہاں اپنا خون بہا دینے کو اپنے لیے موجبِ فخر و سعادت جاننا ہر مسلمان کے ایمان کا تقاضا تھا۔ اس لیے کہ جب تک کہ یہ کیفیت اللہ اور رسولؐ کے ماننے کے دعویداروں میں پیدا نہ ہو اِس مشن کی تکمیل نہیں ہو سکتی۔ سیرت النبیؐ اور سیرِ صحابہ کا مطالعہ کیجئے تو معلوم ہوگا کہ یہ انقلاب اسی طور سے برپا ہوا ہے کہ صحابہ کرامؓ نے اپنا تن من دھن سب کچھ اس راہ میں نچھاور کر دیا۔ غزوۂ خندق کا تصوّر کیجئے جبکہ بڑا ہی وقت آن پڑا تھا۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی کو بارہ ہزار کا لشکر چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھا اور اُس وقت جبکہ خندق کھودی جارہی تھی اور پھاوڑے چل رہے تھے، یہ رجز اور یہ ترانہ صحابہؓ کرام کی زبانوں پہ تھا: "نَحْنُ الَّذِیْنَ بَایَعُوْا مُحَمَّدًا" کہ ہم ہیں وہ لوگ جنہوں نے بیعت کی ہے محمدؐ کے ہاتھ پر، صلّی اللہ علیہ وسلم۔ "عَلَی الْجِهَادِ مَابَقِیْنَا اَبَدًا": یہ بیعت ہے جہاد کی کہ جب تک ہم زندہ ہیں اور جب تک جسم و جان کا تعلق برقرار ہے ہم اس جہاد میں، اِس کوشش میں اور اس جدّوجہد میں لگے رہیں گے۔

ایک انتہائی نفع بخش تجارت!

ــــــ چنانچہ سورۃ الصف کی اس مرکزی آیت کے بعد اگلی ہی آیت میں مسلمانوں سے یہ سوال کیا گیا: "یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰی تِجَارَةٍ تُنْجِیْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِیْمٍ ۝" کہ اے اہلِ ایمان، کیا میں تمہاری رہنمائی کردوں اُس کاروبار کی طرف، اُس تجارت کی طرف جو تمہیں نجات دے ایک دردناک عذاب سے ــــــ یہ انسانی ذہن کے بہت قریب

آکر بات کرنے کا انداز ہے۔ تم دنیاوی کاروبار اور اس سے حاصل ہونے والے نفع کو خوب جانتے ہو۔ لیکن ایک کاروبار وہ بھی ہے کہ جس سے حاصل ہونے والا نفع عذاب الیم سے چھٹکارے کی صورت میں ظاہر ہو گا۔ اس کاروبار کے نتیجے میں تم دردناک عذاب سے بچ جاؤ گے، جہنم کی آگ سے تمہیں رستگاری حاصل ہو جائے گی۔ یہ سوال کرنے کے بعد جواب بھی اللہ تعالیٰ نے خود دیا۔ تعلیم و تفہیم کا یہ بڑا ہی حکیمانہ انداز ہے کہ سوال کیا جائے اور پھر اس کا جواب دیا جائے۔

فرمایا " تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ "۔ تم ایمان پختہ رکھو اللہ پر اور اس کے رسولؐ پر ــــ یہ مقام بھی ان مقامات میں سے ہے جہاں یہ بات وضاحت سے سامنے آتی ہے کہ قانونی ایمان کچھ اور شے ہے اور حقیقی ایمان کچھ اور! ۔ خطاب اُن سے ہو رہا ہے جو پہلے سے مسلمان ہیں ۔" یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا "کے الفاظ پر غور کیجئے! کہ اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو، جو ایمان کا دعوٰی اور اس کا اعلان کر رہے ہو، اور اِقْرَارٌ بِاللِّسَانِ کا مرحلہ طے کر چکے ہو۔ تم اگر یہ چاہتے ہو کہ تمہیں فی الواقع عذابِ الیم سے چھٹکارا ملے تو اس کا راستہ ایک ہی ہے اور وہ یہ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر یقین محکم رکھو۔ (تُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ) اور " وَتُجَاھِدُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ " اور جہاد کرو اللہ کی راہ میں، کھپاؤ اُس میں اپنی جانیں بھی اور اپنے مال بھی ۔ دیکھئے ' فی سبیل اللہ ' کا تعیّن پچھلی آیت میں کیا جا چکا ہے کہ اللہ کے دین کو غالب کرنے اور اُس نظامِ عدل و قسط کو قائم کرنے کے لیے جو محمد رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم دے کر مبعوث کئے گئے ہیں، تمہیں اپنی جان اور اپنے مال کو لگانا اور کھپانا ہے ۔ دین کو قائم و غالب کرنا اگرچہ اصلاً فرضِ منصبی ہے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم کا لیکن اس کے غلبے کی جدوجہد میں تمہیں اپنی جانوں کا ہدیہ پیش کرنا اور اپنے خون سے اس انقلاب کی آبیاری کرنی ہے ۔ تمہیں اس کی بنیادوں میں اپنی ہڈیوں اور خون کا گارا بھرنا ہو گا! یہ کام اسی طور سے ہو گا اور اسی میں درحقیقت تمہارے ایمان کا امتحان ہے ۔ یہ دلیل ہو گی اِس بات کی کہ واقعۃً ایمان تمہارے دلوں میں اتر گیا ہے ۔ اس آیت میں گویا اُسی مضمون کا اعادہ ہو گیا جو ہم سورۃ الحجرات میں پڑھ آئے ہیں کہ: " اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ ثُمَّ لَمْ یَرْتَابُوْا وَجَاھَدُوْا بِاَمْوَالِھِمْ وَاَنْفُسِھِمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الصّٰدِقُوْنَ ○ کہ اپنے دعوٰئ ایمان میں صرف وہی لوگ سچے ہیں جو ان دو شرائط کو پورا کریں۔

(۱) یقینِ قلبی کی یہ صورت کہ اللہ اور اس کے رسولؐ پر اُن کا ایمان یقین کی شکل اختیار کر کے دل

کے اندر جاگزیں ہو چکا ہو اور (۱۱) اُس یقین کا عملی مظہر ہوگا جہاد فی سبیل اللہ ۔ اللہ کے دین کے غلبے اور اس کے کلمے کی سربلندی کے لیے جان اور مال کا کھپانا۔ یہ ہے گویا کہ سورۃ الصف کا مرکزی مضمون جو آیت ۹ اور ۱۰ کے حوالے سے متعین ہو گیا۔

اب ہمیں اس سورہ مبارکہ کا ابتدا سے مطالعہ کرتے ہوئے اس کے تین حصوں اور اُن میں شامل آیات کے باہمی ربط اور بالخصوص اس سورۃ کے مرکزی مضمون کے ساتھ ان کے ربط و تعلق کو سمجھنا ہے۔ مرکزی مضمون کی تعیین کے بعد بقیہ آیات کو سمجھنا ان شاء اللہ بہت آسان ہوگا۔

قول و فعل کے تضاد پر اللہ کا غضب

اس سورۂ مبارکہ کا پہلا حصہ چار آیات پر مشتمل ہے :-

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيمِ ○ بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيمِ ○

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْأَرْضِ وَهُوَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ○

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے، اللہ کی تسبیح میں مشغول ہے، اور وہ زبردست ہے کمال حکمت والا ہے۔ یہ ایک بڑا ہی پرشکوہ آغاز کلام ہے ۔ جانتے ہو کون تم سے مخاطب ہے! وہ جو خالق ارض و سما ر ہے، جس کی تسبیح و تحمید میں اس کائنات کا ذرّہ ذرّہ لگا ہوا ہے ۔ وہ العزیز ہے، زبردست ہے، کمالِ حکمت والا ہے ۔

اگلی آیت میں زجر اور ڈانٹ کا انداز ہے، مسلمانوں کو جھنجھوڑا جا رہا ہے :

"يٰٓأَيُّهَا الَّذِينَ اٰمَنُوا لِمَ تَقُولُونَ مَا لَا تَفْعَلُونَ ○"

اے اہلِ ایمان کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں! تمہارے قول اور فعل کا یہ تضاد اللہ کے نزدیک انتہائی ناپسندیدہ ہے ۔

اگلے الفاظ بہت سخت ہیں :

"كَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ أَنْ تَقُولُوا مَا لَا تَفْعَلُونَ ○"

اللہ کے نزدیک یہ بات انتہائی بیزار کن ہے کہ تم کہو وہ کچھ جو کرتے نہیں ہو ۔ 'مقت' عربی زبان میں غیظ اور غصّے سے بھی آگے کی کیفیت کے لیے آتا ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی وقت آپ کی توقعات پر پورا نہ اُترے تو آپ کو غصہ آتا ہے لیکن ایک مرحلہ وہ آتا ہے کہ توقع بالکل ختم ہو جاتی ہے اور ایک بیزاری کی سی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے ۔ 'مقت' کا لفظ درحقیقت

اسی کیفیت کا غمّاز ہے[1]۔ یہ گویا انتہائی ملامت کا انداز ہے کہ تمہاری یہ لن ترانیاں تمہارے محبتِ خداوندی اور عشقِ رسولؐ کے یہ دعوے تمہارے عمل سے مطابقت نہیں رکھتے۔ دعوے اتنے بلند آہنگ ہوں اور عمل اس معیار پر پورا نہ اتر رہا ہو، اللہ کے ساتھ وفاداری اور رسولؐ کی تابعداری نہ ہو رہی ہو، اللہ اور رسولؐ اور ان کے دین کے لیے حمیت اور غیرت موجود نہ ہو، دینِ حق کو پامال دیکھو اور اپنے دھندوں میں لگے رہو، اُسے مغلوب پاؤ اور پھر بھی دنیا کمانے میں مصروف و مشغول رہو یہ قول و فعل کا وہ تضاد ہے جو اللہ کے نزدیک انتہائی قابلِ مذمت اور بیزار کن ہے۔ کَبُرَ مَقْتًا عِنْدَ اللّٰهِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ ۝ ایمان لائے ہو تو اس کے تقاضوں کو پورا کرنا ہوگا، خدا کو مانا ہے تو اس کے دین کے لیے جان اور مال کھپانے ہوں گے، محمدؐ سے محبت ہے تو محمدؐ کے مشن کی تکمیل کے لیے اپنی جانیں اور اپنے مال صرف کرنے ہوں گے۔ یا چناں کن یا چنیں! یا اس دعوے سے دستبردار ہو جاؤ، یا دعویٰ کرتے ہو تو اس کو عملاً پورا کر دو۔ اقبال نے غالباً اسی لیے کہا تھا ؎

چو می گویم مسلمانم بلرزم   کہ دانم مشکلاتِ لَا اِلٰہ را

اور ؎

یہ شہادت گہِ اُلفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلماں ہونا

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے . . .

چوتھی آیت میں یہ مضمون اپنے نقطۂ عروج کو پہنچ گیا۔ فرمایا: "اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝" اللہ کو تو محبت ان سے ہے[2] جو جنگ کرتے ہیں اس کی راہ میں صفیں باندھ کر، ایسے گویا کہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہوں — یہاں جہاد فی سبیل اللہ کے بلند ترین مقام یعنی قتال فی سبیل اللہ کا ذکر ہے۔ جہاد ایک وسیع اصطلاح

---

[1] عرب میں ایک مکروہ رواج یہ تھا کہ باپ کے مرنے کے بعد اس کے بیٹے اپنی سوتیلی ماؤں سے نکاح کر لیتے تھے۔ تاہم ایسے نکاح کو اس معاشرے میں انتہائی ناپسندیدہ خیال کیا جاتا تھا اور اس کے لیے 'نکاحِ مقت' کی اصطلاح مستعمل تھی۔

[2] غالباً علامہ اقبال نے اپنے اس شعر کا اسلوبِ بیان اسی آیتِ مبارکہ سے اخذ کیا تھا کہ ؎

محبت مجھے ان جوانوں سے ہے   ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند

ہے ۔ دین کے لیے جد و جہد، محنت، کوشش اور دعوت و تبلیغ سب جہاد ہی کی صورتیں ہیں ۔ اسی طرح دین کی نشر و اشاعت کے لیے محنت کرنا، لوگوں سے گفتگو کر کے انہیں ہم خیال بنانے کی ہر ممکن صورت کا اختیار کرنا، پھر جو لوگ اس دعوت کو قبول کریں انہیں منظم کرنا اور ان کی مناسب تربیت کا اہتمام کرنا، یہ تمام کام جہاد فی سبیل اللہ میں شامل ہیں ۔ لیکن اس تصادم اور کشمکش کا آخری مرحلہ اور اس کا نقطۂ عروج ہے قتال فی سبیل اللہ! ـــــ یہاں اُس کا ذکر کیا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ راستہ جا کدھر رہا ہے، جہاد فی سبیل اللہ کے جس راستے پر تم نے قدم دھرے ہیں اس کی آخری منزل کونسی ہے! ـ چنانچہ فرمایا: " اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ ۝ " قدم اس طرح سے جمے ہوئے ہوں اور صف بندی ایسی مضبوط ہو کہ جیسے کوئی سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہو کہ نہ اُسے اپنی جگہ سے ہٹایا جا سکے، نہ اس میں کہیں کوئی رخنہ پیدا کیا جا سکے ۔

اسلام میں 'خیر اعلیٰ' کا تصوّر

ـــــ اس آیت کا حوالہ ہمارے منتخب نصاب کے بالکل آغاز میں آیۂ بِر کے ضمن میں آیا تھا کہ ہر نظام فکر کے نظریۂ اخلاق میں کسی نہ کسی خیرِ اعلیٰ (SUMMUM BONUM) یا بالفاظِ دیگر کسی HIGHEST VIRTUE، کا تصوّر موجود ہوتا ہے کہ سب سے اعلیٰ قدر کونسی ہے، نیکی کی بلند ترین منزل کونسی ہے نوٹ کیجیے کہ آیۂ بِر کے اختتام پر جو مضمون آیا تھا اُسی کا اعادہ سورۃ الصف کی اس آیت میں ہوا ہے ۔ وہاں نیکی کی بحث کا اختتام ان الفاظ پر ہوا تھا : " وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ " اور صبر کرنے والے، ڈٹ جانے والے، برداشت اور تحمّل کا مظاہرہ کرنے والے فقر و فاقہ میں، تکلیف و اذیت میں، اور میدانِ جنگ میں ـــــ گویا اسلام کے نظام فکر اور اس کے نظریۂ اخلاق میں بلند ترین نیکی یا خیرِ اعلیٰ (SUMMUM BONUM) کا جو تصوّر ہے وہ اللہ کی راہ میں اپنی جان دے دینا ہے ۔

بہرحال یہ پہلی چار آیات تمہید بن رہی ہیں اُس مطالبۂ جہاد و قتال کی جو آگے آ رہا ہے ۔ ـــــ اگلی آیات میں بعثتِ نبویؐ کے مقصد اور مشن کی تکمیل کے لیے مسلمانوں کو عمل کی دعوت دی جاتی ہے، لہٰذا آغاز میں تمہید کے طور پر یہ انداز اختیار

کیا گیا ہے کہ جان لو کہ صرف زبانی اقرارِ ایمان تمہیں اللہ کے ہاں اُن وعدوں کا مستحق نہیں بنائے گا جو اس نے اپنے مومن بندوں سے کیے ہیں بلکہ قولی اقرار کے ساتھ ساتھ عمل کی گواہی بھی ضروری ہے۔ اور اس عمل کی چوٹی ہے قتال فی سبیل اللہ جو بندۂ مومن کی عملی جدوجہد کا نقطۂ عروج ہے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جس شخص کی موت واقع ہوئی اس حال میں کہ اُس کے دل میں شہادت کی تمنا نہ ہو، اُس کی موت ایک نوع کے نفاق پر واقع ہوئی۔ یہ درحقیقت ایمان کا منطقی اور لازمی نتیجہ ہے۔ عین ممکن ہے کہ انسان کی ساری زندگی اللہ کی راہ میں مجاہدے اور جدوجہد میں گزرے لیکن قتال کا مرحلہ نہ آئے۔ تاہم ایک بندۂ مومن کے سینے کو اس آرزو سے آباد رہنا چاہیئے کہ کاش کہ وہ وقت آئے کہ اپنی جان کا ہدیہ اللہ کے حضور میں پیش کر کے وہ سُرخ رُو ہو جائے، سبکدوش ہو جائے۔ سورۃ الاحزاب میں اہلِ ایمان کی شان میں یہ الفاظ آئے ہیں: " فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ "، کہ ان صحابہ کرام میں بہت سے وہ ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے، راہِ حق میں گردنیں کٹوا کر سبکدوش ہو چکے اور باقی منتظر ہیں کہ کب ہماری باری آئے اور ہم بھی اس امتحان میں سرخرو ہو جائیں!

یہود کا ذکر بطور نشانِ عبرت

اگلی چار آیات میں یہود کی تاریخ کے حوالے سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا ہے ــــــ اور یہ اِن 'مسبحات' کے مشترک امور میں سے ہے کہ ان میں جا بجا بنی اسرائیل کو بطور نشانِ عبرت پیش کیا گیا ہے ــــــ کہ اے مسلمانو، قول و عمل کا تضاد اور ایمان کے عملی تقاضوں کی ادائیگی سے پہلو تہی ہی وہ اصل جرم تھا کہ جس کی پاداش میں یہود اُس مقام اور منصب سے معزول کر دیے گئے جس پر آج تم فائز کیے گئے ہو۔ چار آیات میں یہود کی تاریخ کے تین ادوار کا ذکر ہے۔ فرمایا:

وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ لِمَ تُؤْذُوْنَنِيْ وَقَدْ تَّعْلَمُوْنَ اَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَيْكُمْ ۚ فَلَمَّا زَاغُوْٓا اَزَاغَ اللّٰهُ قُلُوْبَهُمْ ۚ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْفٰسِقِيْنَ ۝

"اور یاد کرو جب کہا تھا موسیٰؑ نے اپنی قوم سے اے میری قوم کے لوگو، کیوں مجھے ایذا پہنچاتے ہو۔ درآنحالیکہ تم خوب جان چکے ہو کہ میں اللہ کا رسول ہوں تمہاری طرف، پھر جب وہ ٹیڑھے ہو گئے تو اللہ نے اُن کے دلوں کو بھی کج کر دیا، اور اللہ ایسے فاسقوں کو ہدایت نہیں دیتا۔"

قوم کے جہاد سے انکار پر حضرت موسےٰؑ کی بیزاری

اس آیۂ مبارکہ پر پہلے تو اس اعتبار سے غور کیجئے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی امت کے ہاتھوں کس نوعیت کے دکھ سہنے پڑے ہوں گے! یقیناً کوئی نہ کوئی ذاتی اذیت بھی آپؑ کو پہنچائی گئی ہو جیسے کہ خود نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان لوگوں کی زبان سے جو بظاہر کلمہ گو لیکن حقیقت کے اعتبار سے منافق تھے، انتہائی اذیت پہنچتی رہی۔ یہاں تک کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنھا پر تہمت لگی۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ کتنی کوفت اور کتنی ذہنی و قلبی اذیت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس واقعے سے پہنچی ہو گی۔ تو جیسا کہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نوع کی کچھ اذیتیں بھی یہود کے ہاتھوں حضرت موسیٰؑ کو پہنچی ہوں تو یہ کوئی بعید از قیاس بات نہیں ہے۔ لیکن "اَلْقُرْآنُ یُفَسِّرُ بَعْضُہٗ بَعْضًا" کے اصول کے تحت تلاش کیجئے کہ حضرت موسیٰؑ کو قوم کے ہاتھوں اصل اذیت کب پہنچی تھی تو آپ کو سورۃ المائدہ میں اس کی تفصیل ملے گی کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم بنی اسرائیل کو مصر کی غلامی کے پھندوں سے نجات دلا کر لائے اور صحرائے سینا میں پڑاؤ کیا جہاں اُنہیں "تورات" عطا کی گئی، تو بالآخر جہاد و قتال کا مرحلہ سامنے آیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قوم کو حکم دیا کہ اب اِس ارضِ مقدس یعنی فلسطین میں داخل ہو جاؤ، قتال فی سبیل اللہ کے لیے کمر ہمت کس لو تو قوم نے صاف جواب دے دیا: "اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَاۤ اِنَّا هٰهُنَا قٰعِدُوْنَ" کہ اے مُوسیٰ جاؤ تم اور تمہارا رب، تم دونوں قتال کرو۔ ہم اپنی گردنیں کٹوانے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اس پر رنج و صدمے کی جو کیفیت حضرت موسیٰ علیہ السلام پر طاری ہوئی اُس کا نقشہ قرآن مجید نے کھینچا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے حد درجہ مایوسی اور بیزاری کا اظہار کرتے ہوئے بارگاہِ خداوندی میں عرض کرتے ہیں: "رَبِّ اِنِّیْ لَاۤ اَمْلِكُ اِلَّا نَفْسِیْ وَاَخِیْ" کہ اے پروردگار مجھے خود اپنی اور اپنے بھائی کی جان کے سوا کسی پر کوئی اختیار حاصل

نہیں۔ " فَافْرُقْ بَيْنَنَا وَ بَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِيْنَ ۝۲۵ (مائدہ) " تو اے پروردگار! اب ہمارے اور فاسقوں کی اس قوم کے درمیان تفریق کر دے، مَیں ان کے ساتھ مزید رہنے کے لیے تیار نہیں ــــــ یہ گویا وہ سب سے بڑی اذیت تھی جو اپنی امت کے ہاتھوں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جھیلنی پڑی۔

(جاری ہے)

طالبانِ علمِ دین کے لیے وقیع تحفہ!

مولانا حمید الدین فراہیؒ کی دو معرکتہ الآرا تصانیف:

(۱) اقسام القرآن

(عمدہ دبیز کاغذ ۲۲×۲۹/۸ سائز کے ۶۴ صفحات)

(۲) ذبیح کون ہے؟

(عمدہ دبیز کاغذ، بڑے سائز کے ۸۸ صفحات)

ہمارے مکتبے میں محدود تعداد میں دستیاب ہیں

اِن موضوعات سے دلچسپی رکھنے والے علم دوست حضرات

یہ دونوں رسائل **بلا قیمت** صرف ڈاک خرچ بھیج کر

ہمارے ادارے سے حاصل کر سکتے ہیں۔

نوٹ: بذریعہ بک پوسٹ رسائل منگوانے پر -/۳ روپے اور رجسٹرڈ بک پوسٹ کی صورت میں -/۹ روپے کے ڈاک ٹکٹ روانہ کیجیے۔

ملنے کا پتہ: مکتبہ مرکزی انجمن خدام القرآن، ۳۶-کے ماڈل ٹاؤن لاہور ۵۴۷۰۰

حسن انتخاب

قوموں کا عروج زوال

قرآنِ حکیم اور کلامِ اقبال کے آئینے میں

ذیل کا مضمون ہمیں کراچی سے محترم تنظیم حسین صاحب نے اس تصریح کے ساتھ ارسال کیا ہے کہ کئی برس پہلے ایک کتابچے کی صورت میں یہ ان کے ہاتھ لگا تھا لیکن پھر اس کے سرورق کے گم ہوجانے کے باعث نہ یہ بات تعین کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ اسے کس ادارے نے شائع کیا تھا اور نہ ہی یہ پتہ چل سکا ہے کہ اس کے مؤلف کون تھے۔ تاہم مضمون چونکہ نہایت وقیع ہے لہٰذا اسے ہدیۂ قارئین کیا جارہا ہے۔

ہر وہ شخص جس نے تاریخ عالم کا سرسری مطالعہ بھی کیا ہے واقف ہے کہ دنیا میں بہت سی قومیں آئیں۔ ایک عرصہ تک بڑھتی اور پھلتی پھولتی رہیں اور پھر دوسری قوموں کو اپنی جگہ دے کر ختم ہوگئیں۔ اقوام ومِلل کے عروج و زوال کے اسباب کیا ہیں اور یہ کن قوانین کے ماتحت وقوع پذیر ہوئے ہیں، ان کو دریافت کرنے کے لیے ہمیں کلام الٰہی کی طرف رجوع کرنا پڑے گا۔ خداوندکریم نے ارشاد فرمایا ہے:۔

"اِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰہِ یُوْرِثُہَا مَنْ یَّشَاءُ مِنْ عِبَادِہٖ ؕ وَالْعَاقِبَۃُ لِلْمُتَّقِیْنَ" (۷ / ۱۲۸) یعنی "بے شک زمین اللہ کی ہے۔ وہ اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس کا وارث کردے اور عاقبت ان لوگوں کے لیے ہے جو متقی ہیں"۔ اس سے معلوم ہوا کہ زمین خدا کے سوا کسی کی میراث نہیں۔ اقوام کو یہ میراث خدا کے حکم سے عطا کی جاتی ہے۔ کن لوگوں کو یہ وراثت ملتی ہے اس کی تشریح اس آیت کے علاوہ دوسری آیتوں میں بھی کی گئی ہے، چنانچہ ارشاد ہوا:

"وَعَدَ اللّٰہُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا مِنْکُمْ وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ لَیَسْتَخْلِفَنَّہُمْ فِی الْاَرْضِ کَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِہِمْ" یعنی اللہ نے

ان لوگوں کو زمین پر خلیفہ بنانے کا وعدہ کر لیا ہے جو ایمان لائے اور جنہوں نے عمل صالح کیا، جس طرح ان کے اگلوں کو اس نے خلیفہ بنایا۔"

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں خلافت حاصل کرنے کے لیے دو اجزاء ضروری ہیں:
(۱) ایمان اور (۲) عمل صالح۔ اقبال نے اسی حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:ـــ

"حق جہاں را قسمتِ نیکاں شمرد جلوہ اش با دیدۂ مومن سپرد"

جب کسی قوم کو اس کی اہلیت اور صلاحیت کی بنا پر مسند خلافت عطا ہوتی ہے تو پھر بلاوجہ اس کو اس مقام سے نہیں ہٹایا جاتا۔ چنانچہ فرمایا ہے:

" وَمَا كَانَ رَبُّكَ لِيُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا مُصْلِحُوْنَ " (۱۱/۱۱۷)

یعنی "ایسا نہیں ہوسکتا کہ تیرا پروردگار قریوں کو بلاوجہ تباہ کر دے حالانکہ اس کے باشندے نکوکار ہوں۔"

لیکن اگر کوئی قوم خلافت کی اہلیت اور صلاحیت کھو بیٹھے یعنی ایمان اور عمل صالح سے دور ہو جائے تو پھر چاہے وہ بظاہر کتنی ہی طاقت ور نظر آئے کوئی قوت اس کو منصب خلافت پر بحال نہیں رکھ سکتی۔

" اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِى الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَكَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْهُمْ قُوَّةً " (۳۶/۴۴)

یعنی "کیا لوگ زمین پر سیر نہیں کرتے تاکہ اپنے پیشروؤں کا انجام دیکھیں، جو کبھی قوت میں ان سے زیادہ تھے۔"

پھر کہا گیا ہے کہ ہلاکت صرف ان ہی قوموں کے لیے مختص ہے جو فاسق اور بدکار ہوتی ہیں۔

" فَهَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الْفٰسِقُوْنَ " (۴۶/۳۵)

یہ ہے وہ قانون جو قوموں کے عروج اور زوال کے اسباب کی نشاندھی کرتا ہے اور جس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ ہمیشہ سے یہی ہوتا آیا ہے اور ہمیشہ یہی ہوتا رہے گا۔

" سُنَّةَ اللّٰهِ فِى الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلُ ۚ وَلَنْ تَجِدَ

لِسُنَّةِ اللّٰهِ تَبْدِيلًا ۝ (۳۳/ ۶۲)

"یہی قانون تھا ان لوگوں کے لیے جو پہلے گزر چکے ہیں۔ اور قانون الٰہی میں تم کبھی تبدیلی نہ پاؤ گے۔"

انہی قوانین الٰہی کی اقبال نے مختلف مقامات پر تشریح کی ہے اور انہیں مقتضائے زمانہ کے مطابق جدید اور دلچسپ پیرایوں میں بیان کیا ہے تاکہ وہ دلنشیں ہو جائیں۔

قومیں افراد سے بنتی ہیں اور قوموں کا عروج و زوال افراد کی صلاحیت اور نااہلی سے وابستہ ہوتا ہے۔ فرد کی زندگی اور ترقی کا اصل محرک اپنی انا یا خودی کی حفاظت کا جذبہ ہے اس لیے جو قومیں ترقی کرنا چاہتی ہیں۔ ان کے افراد کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنی شخصیت اور صلاحیتوں کی تربیت کریں تاکہ وہ مستحکم ہوں اور ارتقاء کے زینے طے کریں۔ ہر وہ چیز جو انسانی شخصیت کو اجاگر کرے خیر ہے اور جس چیز سے شخصیت کمزور ہو جائے وہ شر ہے۔ خودی کی شخصیت کے تین پہلو ہوتے ہیں، جسمانی، ذہنی اور روحانی۔ ان تینوں پہلوؤں کی متناسب طور پر نشو و نما ہو اور ان میں ہم آہنگی پائی جائے تو پھر فرد کی ذات تکمیل کی طرف آگے بڑھتی ہے اور اس سے قوم اور جماعت کو فائدہ پہنچتا ہے۔ ہر پہلو کی نشو و نما کے لیے کافی ریاضت اور محنت کی ضرورت ہے۔ ترقی پذیر قوموں میں ہمیشہ دیکھا جاتا ہے کہ ان کے افراد ہر قسم کی شدید محنت و مشقت کے عادی ہوتے ہیں اور جب قوم کے زوال کا زمانہ شروع ہو جاتا ہے تو ان افراد میں تن آسانی اور راحت پسندی سرایت کر جاتی ہے۔ اس نکتہ کی طرف اقبال نے نہایت بلیغ اشارہ کیا ہے:۔

میں تجھ کو بتاتا ہوں، تقدیرِ اُمم کیا ہے
شمشیر و سناں اوّل، طاؤس و رباب آخر

اس لیے اقبال ہمیشہ تن آسانی کے خلاف تنبیہہ کرتے ہیں اور اپنی قوم خصوصاً نوجوان افراد کو اس میں مبتلا دیکھتے ہیں تو خون کے آنسو روتے ہیں:۔

ترے صوفے ہیں افرنگی، ترے قالین ایرانی
لہو مجھ کو رلاتی ہے جوانوں کی تن آسانی

کس قدر درد اور سوز سے بھرا ہوا ہے یہ شعر جس میں وہ خود اپنے آپ کو ملامت کرتے ہیں:۔

دیا اقبالؔ نے ہندی مسلمانوں کو سوز اپنا
یہ اک مردِ تن آساں تھا تن آسانوں کے کام آیا

اسلام نے انفرادی ذمہ داری اور سعی و عمل کو زندگی کا اصل اصول قرار دیا ہے۔ اسی سعی و عمل کی بدولت انسان خود کو اشرف المخلوقات ثابت کر سکتا ہے۔ خدا تعالیٰ نے وعدہ فرمایا ہے کہ کسی شخص کا عمل ضائع نہیں جاتا :۔

" اَنِّی لَآ اُضِیۡعُ عَمَلَ عَامِلٍ مِّنۡکُمۡ مِّنۡ ذَکَرٍ اَوۡ اُنۡثٰی "..... (۳/۱۹۵)

اقبال نے اپنے خطبات میں آیۂ کریمہ " اِنَّا عَرَضۡنَا الۡاَمَانَۃَ عَلَی السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَالۡجِبَالِ فَاَبَیۡنَ اَنۡ یَّحۡمِلۡنَہَا وَ اَشۡفَقۡنَ مِنۡہَا وَ حَمَلَہَا الۡاِنۡسَانُ " کی تشریح یوں کی ہے کہ جس امانت کا بوجھ آسمان و زمین اور پہاڑوں نے اٹھانے سے انکار کر دیا وہ شخصیت اور احساسِ خودی کی ذمہ داری تھی جسے انسان نے قبول کر لیا۔ اسی ذمہ داری کی بدولت اس کی تمام تر فضیلت اور عظمت پیدا ہوئی اور اسی سے اس میں اتنا اعتماد پیدا ہوا کہ نہ صرف حقائق اشیاء کا علم حاصل کر سکے بلکہ اپنی ضرورت کے مطابق فطرت میں تصرف کر سکے۔ اپنی اس استعداد کی بدولت وہ رفعت و کمال کے اعلیٰ ترین مرتبہ تک پہنچ سکتا ہے اور اپنے علم و محبت کو اتنا وسیع کر سکتا ہے کہ جس کی کوئی انتہا نہیں۔ انسانی فضیلت اس سے بڑھ کر کیا ہو گی کہ اس کی فطرت کو فطرتِ الٰہی کے مطابق ٹھیرایا گیا۔

" فِطۡرَتَ اللّٰہِ الَّتِیۡ فَطَرَ النَّاسَ عَلَیۡہَا "۔ (۳۰/۳۰)

اور اسکو اختیار دیا گیا کہ اپنے فکر و عمل سے حالات و حقائق میں تغیر کرے۔ اس کے تصور اور ارادہ کو آزاد چھوڑ دیا گیا تاکہ وہ کائنات کو مسخر کرے۔ ایجاد اور تخلیق فطرتِ الٰہی کی خصوصیت ہے چنانچہ انسان میں بھی یہ وصف ایک حد تک ودیعت کیا گیا کہ وہ ایجاد اور تخلیق کے ذریعہ اپنے ماحول پر قابو پائے اور نئی نئی اشیاء بناتا رہے۔

جاوید نامہ میں افلاک کی سیر کرتے ہوئے اور فردوس بریں سے گزر کر جب اقبال حضورِ باری میں پہنچتے ہیں تو اس کرۂ خاک کی موجودہ حالت کی طرف جناب باری کی توجہ مبذول

---

۵ ۳۳/۷۲

کراتے ہیں۔ اس کے جواب میں ندائے جمال آتی ہے جس میں تخلیقِ عالم کی حقیقت بتلائی گئی ہے اور اپنی دنیا آپ پیدا کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

زندگی ہم فانی و ہم باقی است — ایں ہمہ خلاقی و مشتاقی است!
زندۂ؟ مشتاق شو، خلاق شو — ہم چو ما گیرندۂ آفاق شو!
در شکن آن را کہ ناید سازگار — از ضمیرِ خود دگر عالَم بیار!
بندۂ آزاد را آید گراں — زیستن اندر جہانِ دیگراں!
ہر کہ او را قوتِ تخلیق نیست — پیشِ ما جز کافر و زندیق نیست!
مردِ حق! برندہ چوں شمشیر باش — خود جہانِ خویش را تقدیر باش!

انفرادی ذمہ داری کا احساس، سعی و عمل کی توفیق اور ایجاد و تخلیق کی صلاحیت افراد کی یہی تین بڑی صفتیں ہیں جن کی بنا پر وہ اپنی قوم کو بامِ ترقی کے انتہائی زینہ تک لے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ اقبال اپنے خطبات میں لکھتے ہیں:—

"انسان کے لیے مقدر ہو چکا ہے کہ وہ اپنے گردوپیش کی کائنات کی گہری آرزوؤں میں شریک ہو اور اس طرح خود اپنے مقدر اور کائنات کی تقدیر کی تشکیل کرے۔ کبھی وہ کائنات کی قوتوں سے اپنے تئیں مطابق بناتا ہے اور کبھی ان کو پوری قوت کے ساتھ اپنے مقاصد کے مطابق ڈھالتا ہے۔ اس تدریجی تغیر کے عمل میں خدا خود اس کا شریکِ کار ہوتا ہے بشرطیکہ انسان کی طرف سے اقدام کیا گیا ہو:—

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ اگر انسان کی طرف سے اقدام نہیں ہوتا اور وہ اپنے وجود کے قویٰ کو ترقی نہیں دیتا، اگر وہ زندگی کے بڑھتے ہوئے دھارے کا زور محسوس نہیں کرتا تو اس کی روح پتھر بن جاتی ہے اور وہ مثل مردہ مادہ کے ہو جاتا ہے۔" (خطبات ص ۱۲)

اب افراد سے گذر کر قوم کی طرف بڑھیے تو معلوم ہو گا کہ قوم کی ترقی کے لیے سب سے پہلے

اس کے نصب العین (IDEALOGY) کے تعین اور تحفظ کی ضرورت ہے۔ جب کوئی قوم اپنی تہذیب اور اپنی عملی روایات پر یقین نہیں رکھتی اپنی عقل کو دوسروں کے افکار کی زنجیر میں گرفتار کرتی اور اپنی تمناؤں کو دوسروں سے مستعار لینے میں تامل نہیں کرتی تو پھر وہ نیابت الٰہی کے حق سے دست بردار ہو جاتی ہے:

عقلِ تو زنجیریٔ افکارِ غیر ‏ ‏ ‏ ‏ در گلوئ تو نفس از تارِ غیر!
بر زبانت گفتگو ہا مستعار ‏ ‏ ‏ ‏ در دل تو آرزو ہا مستعار
بادہ می گیری بجام از دیگراں ‏ ‏ ‏ ‏ جام ہم گیری لوام از دیگراں
آفتاب استی یکے در خود نگر ‏ ‏ ‏ ‏ از نجوم دیگراں تابے مخر
تا کجا طوف چراغِ محفلے ‏ ‏ ‏ ‏ زآتش خود سوز اگر داری دلے

قوم اسی وقت زندہ رہ سکتی ہے جب کہ وہ اپنے ناموسِ کہن کی حفاظت کرے اور اپنے مقصودِ حیات کو فراموش نہ کردے۔ جماعتیں اپنی سرگذشت کے ذریعے اپنے مقاصد کا تعین اور اپنے اجتماعی وجود کو مستحکم کرتی ہیں:۔

زندہ فرد از ارتباطِ جان و تن ‏ ‏ ‏ ‏ زندہ قوم از حفظ ناموسِ کہن
مرگ فرد از خشکیٔ رودِ حیات ‏ ‏ ‏ ‏ مرگ قوم از ترکِ مقصودِ حیات

جاوید نامہ کے سفر میں اقبال جب آں سوئے افلاک پہنچ کر ذات باری سے مخاطب ہوتے ہیں تو ایک بار پھر عرض کرتے ہیں کہ جو قوم ایک مرتبہ مردہ ہو چکی ہو وہ دوبارہ کیونکر زندہ ہو سکتی ہے:۔

چیست آئینِ جہانِ رنگ و بو ‏ ‏ ‏ ‏ جز کہ آبِ رفتہ می ناید بجو!
زندگانی را سرِ تکرار نیست ‏ ‏ ‏ ‏ فطرتِ او خوگرِ تکرار نیست!
زیرِ گردوں رجعتِ او نارواست ‏ ‏ ‏ ‏ چوں ز پا افتادہ قومے برنخواست!
ملتے چوں مُرد کم خیزد زقبر ‏ ‏ ‏ ‏ چارۂ او چیست غیر از قبر و صبر!

اس کے جواب میں ندائے جمال آتی ہے کہ قوموں کی زندگانی کا راز وحدت افکار و کردار میں پوشیدہ ہے:۔

چیست ملّت اے کہ گوئی لا الٰہ | باہزاراں چشم بودن یک نگاہ
اہلِ حق را حجت و دعوٰے یکے ست | خیمہ ہائے ما جدا دلہا یکے ست
ذرہ ہا از یک نگاہی آفتاب | یک نگہ شو تا شود حق بے حجاب
ملتے چون می شود توحید مست | قوت و جبروت می آید بدست
روح ملّت را وجود از انجمن | روح ملّت نیست محتاج بدن
مردۂ از یک نگاہی زندہ شو | بگزر از بی مرکزی پائندہ شو

سیاسی محکومیت سے زیادہ خطرناک ذہنی غلامی ہوتی ہے ۔ جب کہ کوئی قوم اپنے نصب العین کو چھوڑ کر کسی دوسری جماعت کے خیالات اور افکار کو اختیار کر لیتی ہے اور انہی کے مطابق عمل کرنا شروع کرتی ہے ۔ اسی لیے قوموں کے عروج و زوال میں IDEALOGY کا بھی بڑا عنصر ہوتا ہے ۔ اور قوم کی ترقی کے لیے سب سے پہلے لازمی شرط بقول اقبالؔ " تطہیرِ فکر " یعنی افکار کو پاک و صاف کرنا ہے ۔

اس کے بعد ایک اہم سوال فرد اور جماعت کے باہمی تعلق کا ہے ۔ وہی معاشرہ ترقی پسند ہو گا جس میں اس مسئلہ کو بحسن و خوبی حل کیا گیا ہو ۔ جس قوم میں فرد اور سوسائٹی کا رشتہ مناسب اور فطرت کے مطابق ہو گا اس کی ترقی کے امکانات وسیع ہوں گے اور جہاں افراد اور جماعت میں باہمی نزاع اور کش مکش پائی جائے وہاں ترقی مفقود ہو گی ۔

فرد اور جماعت کے اغراض و مقاصد میں کوئی دائمی تضاد نہیں ۔ وہی سوسائٹی فطرت کے مطابق ہو گی جس میں انفرادی خودی کو اپنی نگہبانی اور پرورش کا موقع حاصل ہو اور اس کے ساتھ اجتماعی مفاد کو بھی ٹھیس نہ لگے ۔ جس طرح وہ شخص جو قافلہ میں سفر کرتا ہے سب کے ساتھ بھی ہوتا ہے اور سب سے الگ اپنا وجود بھی برقرار رکھتا ہے ، یہی حال کاروانِ زندگی کا ہے جس میں ہر فرد سب کے ساتھ بھی ہے اور سب سے جدا بھی ۔ اس حقیقت کو اقبالؔ نے مختلف موقعوں پر نہایت بلیغ پیرایہ میں پیش کیا ہے ۔ چنانچہ کہتے ہیں :-

" زندگی انجمن آرا و نگہ دار خود است
اے کہ در قافلۂ بے ہمہ شو ، با ہمہ رو "

جو لوگ زندگی کے اس راز سے واقف ہوتے ہیں وہ اس طرح رہتے ہیں کہ

"برون زانجمنی ، درمیان انجمنی
بخلوت اند ولے آں چناں کہ باہمہ اند"

فرد اور جماعت کے اس تعلق کا اقبال نے اپنے لیکچر "ملت بیضا پر ایک عمرانی نظر" میں وضاحت کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اس لیکچر سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ فرد کو جماعتی زندگی کی اخلاقی اقدار کا تابع دیکھنا چاہتے ہیں۔ فرد کی شخصیت عمرانی ماحول کے بغیر روشن نہیں ہو سکتی۔ خودی کی تربیت جو زندگی کا مقصد ہے تنظیم ملت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لئے ضروری ہے کہ فرد کے جسمانی اور روحانی قوئی وقف ہوں اجتماعی زندگی کے مقاصد کے لیے جن کی خاطر وہ زندہ رہتا ہے۔

افراد جلد جلد مٹنے والے ہیں لیکن قومیں اپنی آئندہ نسلوں کے ذریعہ اپنی زندگی کو دائمی بنا لیتی ہیں۔ ان کی زندگی غیر محدود ہوتی ہے۔ یوں سمجھیے کہ اگر چمن کے پھول مرجھا جائیں تو فصلِ بہار پر اس کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جواہرات کے معدن میں سے اگر ایک دو جوہر ٹوٹ جائیں تو معدن میں کوئی کمی نہیں ہوتی۔ خمِ ایام میں سے روز و شب کے بے شمار جام پے بہ پے میخوارانِ حیات کو ملتے ہیں لیکن وہ جیسا تھا ویسا ہی رہتا ہے۔ اسی طرح ملت کی تقویم فرد کی تقویم سے جداگانہ ہے اور اس کے جینے مرنے کا قانون بھی مختلف ہے :-

فصلِ گل از گلستان باقی تر است	از گل و سرو و سمن باقی تر است
کانِ گوہر پرورے گوہرگرے	کم نہ گردد از شکست گوہرے
صبح از مشرق ز مغرب شام رفت	جام صد روز از خم ایام رفت
بادہ ہا خوردند و صہبا باقی است	دوش ہا خون گشت و فردا باقی است
ہم چنان از فرد ہائے بے سپر	ہست تقویم امم پائندہ تر !!
در سفر یار است و صحبت قائم است	فرد رہ گیر است و ملت قائم است
ذات او دیگر صفاتش دیگر است	سنت مرگ و حیاتش دیگر است

افراد کے دل میں جماعت کی خاطر ایثار اور خود فراموشی کا جو جذبہ پیدا ہوتا ہے اس کو

اقبال "بے خودی" سے تعبیر کرتے ہیں۔ خودی اور بے خودی کے باہمی توازن اور ہم آہنگی کی بناء پر ہی قومیں ترقی اور کامرانی کی شاہراہ پر آگے بڑھتی ہیں:۔

فرد را ربط جماعت رحمت است | جوہر او را کمال از ملت است
تا توانی با جماعت یار باش | رونق ہنگامۂ احرار باش
فرد می گیرد ز ملت احترام | ملت از افراد می یابد نظام
در جماعت فرد را بینیم ما | از چمن او را چو گل چینیم ما
فطرتش وارفتۂ یکتائی است | حفظ او از انجمن آرائی است

فرد جب اپنے آپ کو ملت کا پابند بنا لیتا ہے اور معاشرہ کی خدمت میں منہمک ہوتا ہے تو اس وقت وہ اپنے وجود کے بلند ترین مقام تک پہنچتا ہے۔ فرد اور جماعت کا تعلق ایک قسم کا زندۂ عضوی (ORGANIC) تعلق ہے۔ فرد اپنے آپ کو اگر چاہے بھی تو جماعت سے علیحدہ نہیں کرسکتا۔ فرد کی تکمیل ذات سے مراد یہ ہے کہ وہ اپنے تعلقات کو جماعت کے ساتھ استوار کرے ورنہ وہ اس درخت کے مثل ہوگا جس کی جڑیں اکھڑ گئی ہوں۔ انسانی ارتقاء کا منتہیٰ یہ ہے کہ فرد اور جماعت کے اقدار حیات میں ہم آہنگی پیدا کرے۔ جو تمدن اس مقصد میں کامیاب ہو جاتا ہے وہی زندگی کی گتھیوں کو اچھی طرح سلجھانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

اقبال کے نزدیک جس خوبی سے اسلامی تمدن میں فرد اور جماعت کے تضاد کو رفع کیا گیا ہے اور مادی اور روحانی زندگی میں جو امتزاج پیدا کیا گیا ہے وہ خود اس امر کا ضامن ہے کہ اسلامی تمدن ہر قسم کے جوکھوں میں پڑ کر اور جلا پائے گا اور بڑے بڑے انقلابوں کے باوجود اپنی ہستی کو برقرار رکھ سکے گا۔ انقلابوں کو جھیلنا جماعتوں کی قوت حیات پر دلالت کرتا ہے اور تغیرات سے عہدہ برآ ہونا صرف اجتماعی اقدار ہی کی بدولت ممکن ہے۔ نئے حالات سے مطابقت جماعتوں کو دوام بخشتی ہے۔ ہر انقلاب کے بعد اسلامی تہذیب نے اپنے آپ کو از سر نو زندہ کیا۔ تاتاری حملے کی مثال اسلامی تاریخ میں موجود ہے جس کی بدولت کعبہ کو نئے پاسبان مل گئے۔

اسی مضمون کی طرف رموزِ بے خودی میں اشارہ کرتے ہوئے اقبال نے بتایا ہے کہ اسلامی تہذیب اپنے اندرونی جوششِ حیات و بقا کی بدولت ہر نمرود کی آگ کو گلزار بنا سکتی ہے۔ انقلابِ زمانہ کے شعلے جب گلشنِ اسلام تک پہنچتے ہیں تو پھر انہی شعلوں سے بہارِ تازہ نمودار ہوتی ہے۔ یونانی علم و حکمت، رومیوں کی جہانگیری، مصری اور ساسانی شان و جبروت سب کے سب ایک ایک کرکے انقلاب زمانہ کے شکار ہوگئے لیکن ملتِ اسلامیہ کے عزمِ حیات میں آج بھی کمی نظر نہیں آتی :۔

آتشِ تاتاریاں گلزارِ کیست ؟ — شعلہ ہائے او گلِ دستارِ کیست ؟
از تہِ آتش بر اندازیم گل — نارِ ہر نمرود را سازیم گل
شعلہ ہائے انقلابِ روزگار — چوں بہ باغِ ما رسد گردد بہار
رومیاں را گرم بازاری نماند — آن جہانگیری جہانداری نماند
شیشۂ ساسانیاں در خوں نشست — رونقِ خمخانۂ یوناں شکست
مصر ہم در امتحاں ناکام ماند — استخوانِ او تہِ اہرام ماند
در جہاں بانگِ اذاں بود ست و ہست — ملتِ اسلامیاں بود ست و ہست

میں نے ابتدا میں قرآنی آیات کے ذریعے تشریح کی ہے کہ نیابتِ الٰہی اور زمین پر حکمرانی کے لیے ایمان اور عمل صالح ناگزیر ہیں۔ ایک اور موقع پر قرآن نے بتایا ہے کہ ارتقائے مدارج کے لیے ایمان کے ساتھ علم بھی ضروری ہے :۔

" وَيَرْفَعُ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ " (۵۸/۱۱)

ایمان، عمل صالح اور علم، یہی اقانیم ثلاثہ ہیں جن کے بغیر کوئی ترقی ممکن نہیں اور جن کی عدم موجودگی میں قوموں کا زوال لازمی ہے۔ ایمان کے متعلق اقبال کہتے ہیں :۔

ولایت، پادشاہی، علم اشیاء کی جہانگیری
یہ سب کیا ہیں فقط اک نکتۂ ایماں کی تفسیریں
کوئی اندازہ کر سکتا ہے اس کے زورِ بازو کا
نگاہِ مردِ مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں

ایمان کے بعد دوسرا عنصر عمل صالح کا ہے۔ نیابتِ الٰہی انہی کو نصیب ہوتی ہے جو اپنے عمل اور کردار سے اپنے آپ کو اس کا مستحق ثابت کرتے ہیں جس جماعت میں جوشِ عمل کی بنا پر جذب و تسخیر کی صلاحیت پیدا ہو جائے تو پھر اس کے غلبے اور تسلط کو دنیا کی کوئی طاقت نہیں روک سکتی۔ وہ اپنے جوش کردار اور اعمال صالحہ کی بنا پر تقدیر کے راز بھی معلوم کر سکتی ہے:۔

رازہے رازہے تقدیر جہاں تگ و تاز
جوشِ کردار سے کھل جاتے ہیں تقدیر کے راز
صفِ جنگاہ میں مردانِ خدا کی تکبیر
جوشِ کردار سے بنتی ہے خدا کی آواز

اقبالؔ نے اپنے کلام میں عمل کی ترغیب مختلف پیرایوں میں دی ہے۔ چنانچہ ایک مقام پر کہتے ہیں:۔

جہاں اگرچہ دگرگوں ہے قُم باذن اللہ
وہی زمیں وہی گردوں ہے قُم باذن اللہ
کیا نوائے انا الحق کو آتشیں جس نے
تری رگوں میں وہی خوں ہے قُم باذن اللہ

زبورِ عجم کی وجد آفریں نظم کا ایک بند ہے:۔

تختِ جم و دارا سرا ہے نفروشند ۔۔۔ ایں کوہِ گراں ست' بکاہے نفروشند
باخونِ دل خویش خریدن دگر آموز

قوموں کے عروج و ترقی کے لیے ایمان اور عمل صالح کے بعد تیسری اور آخری شرط علم و حکمت کی ہے، جس کو خداوند تعالیٰ نے خیرِ کثیر کہا ہے:۔

"وَمَنْ يُّؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ اُوْتِيَ خَيْرًا كَثِيْرًا"

گفت حکمت را خدا خیرِ کثیر ۔۔۔ ہر کجا ایں خیر را بینی بگیر
سیدِ کل صاحبِ ام الکتاب ۔۔۔ پردگی ہا بر ضمیرش بے حجاب

گرچہ عین ذات را بے پردہ دید　　رَبِّ زِدْنِی از زبانِ او چکید

قرآن پاک میں انسانی شرف کی بنا حقائق اشیا کے علم کو ٹھیرایا گیا ہے۔ چنانچہ "وَعلم آدم الاسماء کلہا" کی آیت شریفہ میں اسی جانب اشارہ ہے۔ انسان اپنے علم کی قوت سے آسمانوں کے سینے شگاف کرتا ہے اور عالم رنگ و بو کو اپنے تصرف میں لاتا ہے۔ وہ فطرت کی کمی اور کوتاہی کو اپنے منشار کے مطابق دور کرسکتا اور اس کی فزونی کو کم کرسکتا ہے۔ انسانی آزادی اور اختیار اس کے علم ہی کا ایک کرشمہ ہے، اس علم کی بدولت وہ ایسے مقام پہ پہنچ جاتا ہے جہاں ساری کائنات اس کے زیر نگیں آجاتی ہے۔ اور عناصر پہ اس کی حکمرانی ہوتی ہے:

خنک روزی کہ گیری این جہان را　　شگافی سینۂ نہ آسماں را
بکف بردن جہان چار سو را　　مقام نور و صوت و رنگ و بو را
فزونش کم، کم او بیشس کردن　　دگرگوں بر مراد خویش کردن
شکوہ خسروی این است داین است　　ہمیں ملک است کو توأم بدین است

قانون طبعی کی رو سے عمل صالح کا مفہوم اس کے سوا اور کچھ نہیں کہ موالید و عناصر کو مطیع کیا جائے اور انہیں زندگی کے اعلیٰ مقاصد کے لیے استعمال کیا جائے۔ جماعتیں اسی وقت آزادی اور عزت کی زندگی بسر کرسکتی ہیں جبکہ وہ خارجی دنیا پہ اور اس کی پوشیدہ قوتوں پر تصرف حاصل کریں۔ تمدن کی ترقی عبارت ہے عالم خارجی پہ تصرف حاصل کرنے کے طریقوں کی ترقی سے۔ قوائے عالم کی تسخیر استحکام خودی اور حیات ملیہ کی توسیع کے لیے نہایت ضروری ہے۔ اقبال نے فطرت کو ارباب نظر کا تختہ تعلیم قرار دیا ہے، جس کے ذریعہ انسان کی صلاحیتوں اور قابلیتوں کی تکمیل ہوتی ہے۔ انسانی روح کے تقاضے جس قدر شدید ہوں گے فطرت اسی مناسبت سے اپنے راز ہائے سربستہ اس پر منکشف کرے گی۔

ماسوا از بہر تسخیر است و بس　　سینۂ او عرضۂ تیر است و بس

ہر کہ محسوسات را تسخیر کرد عالمے از ذرۂ تعمیر کرد
تا ز تسخیر قوائے این نظام ذو فنونیہائے تو گردد تمام
نائب حق در جہاں آدم شود بر عناصر حکم او محکم شود

اقبال نے اپنے خطبات میں قرآنی آیات کی تشریح کرتے ہوئے بتایا ہے کہ صرف علم کے ذریعے انسانی ذہن عالم محسوس کے پرے جا سکتا ہے اور اس پر تصرف حاصل کر سکتا ہے۔ یہ تصرف جو علم کے ذریعہ ممکن ہے حفظ حیات اور استحکام خودی کا ضامن ہوتا ہے :-

علم از سامان حفظِ زندگی است علم از اسبابِ تقویم خودی است
دست رنگین کن زخونِ کوہسار جوئے آبِ گوہر از دریا بر آر
صد جہان در یک فضا پوشیدہ اند مہرہا در ذرہ ہا پوشیدہ اند
از شعاعش دیدہ کن نا دیدہ را وا نما اسرار نافہمیدہ را
تابش از خورشید عالم تاب گیر برق طاق افروز از سیلاب گیر
جستجو را محکم از تدبیر کن انفس و آفاق را تسخیر کن

قوموں کے عروج وزوال کے یہ وہ ابدی قوانین ہیں جن کو قرآن کریم سے اخذ کر کے اقبال نے بڑی شرح و بسط کے ساتھ بیان کیا ہے اور جو آج بھی اسی طرح تازہ زندگی بخش سکتے ہیں بشرطیکہ انہیں حرز جاں بنایا جائے اور پوری قوت اور استقامت کے ساتھ ان پر عمل کیا جائے۔ ملتِ بیضا کے لیے اقبال کا ایک انتہائی جاں افروز پیام اور سن لیجے۔

عہدِ نو برق ہے آتش زن ہر خرمن ہے
ایمن اس سے کوئی صحرا نہ کوئی گلشن ہے
اس نئی آگ کا اقوامِ کہن ایندھن ہے
ملتِ ختم رسلؐ شعلہ بہ پیراہن ہے
آج بھی ہو جو براہیمؑ کا ایماں پیدا
آگ کر سکتی ہے اندازِ گلستاں پیدا

—٥—

ارتکابِ گناہ کے اسباب

زیرِ طبع کتاب کے باب اوّل کی فصلِ ثانی

مؤلف : ابوعبدالرحمٰن شبّیر بن نور

عورتوں کی محبت

نوعِ انسانی کی بقا اور تسلسل مرد و عورت کے وجُود اور ملاپ میں ہے اسی لیے عورت کے لیے مرد میں اور مرد کے لیے عورت میں کشش رکھی گئی ہے۔ اگر یہ تعلّق معروف طریقے سے ہو تو بہت بڑی انسانی خدمت اور تحفظِ ایمان کی ضمانت ہے۔ لیکن انسان اپنی نادانی اور جہالت بلکہ شہوت پرستی کی وجہ سے معروف و مقرّر حدود میں رہنے کے بجائے آزاد شہوت رانی کو زیادہ پسند کرتا ہے۔ اور اگر وہ ناجائز جنسی تعلقات کے جال میں نہ بھی پھنسے تو بھی وہ بسا اوقات خود اپنی بیوی کی غلط فرمائشوں اور زائد از استطاعت تقاضوں کی وجہ سے مختلف نوعیت کی ٹھوکریں کھاجاتا ہے۔ درحقیقت یہ انسانی طبیعت کا خاصہ اور اس کی فطری کمزوری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ ذٰلِكَ مَتَاعُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَاللّٰهُ عِنْدَهٗ حُسْنُ الْمَاٰبِ[1] ۝

"لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس —— عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،

---

[1] سورت آل عمران، آیت ۱۴

مویشی اور زرعی زمینیں ـــــــ بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں مگر یہ سب دنیا کی چند روزہ زندگی کے سامان ہیں۔ اور حقیقت میں جو بہتر ٹھکانا ہے وہ تو اللہ کے پاس ہے۔"

اصل یہ ہے کہ ہر وہ تعلق جو انسان کو اللہ سے دُور یا اس کا باغی کر دے وہ اس کے لیے آزمائش اور فتنہ ہے، خواہ عورتوں سے ناجائز تعلقات ہوں یا جائز بیویوں کے ناجائز تقاضے۔ اس معاملے میں احتیاط برتنے کی طرف توجہ دلاتے ہوئے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ [1]

"میرے بعد کوئی ایسی آزمائش یا فتنہ نہیں ہے جو مردوں کے لیے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ ہو۔"

ایک دُوسرے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيهَا فَيَنْظُرَ كَيْفَ تَعْمَلُونَ ، فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي اِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ۔ [2]

"یقیناً یہ دنیا بہت میٹھی، سرسبز اور شاداب ہے اور یقیناً اللہ تعالیٰ تم کو اس دنیا میں اقتدار بخشنے والا ہے۔ پھر وہ دیکھے گا کہ تم کیسے عمل کرتے ہو، چنانچہ دنیا کی آلائشوں سے بچتے رہو۔ اور بالخصوص عورتوں کی آزمائش سے دُور رہو۔ کیونکہ بنی اسرائیل میں سب سے پہلا فتنہ عورتوں ہی کی شکل میں نمودار ہوا تھا۔"

لیکن اس کے یہ معنی نہیں کہ عورت ہونا بذاتِ خود کوئی برائی ہے۔ نہیں، ایسا ہرگز نہیں، بلکہ اگر عورت نیک ہو تو دنیا کی عظیم ترین نعمت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے:

اَلدُّنْيَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِهَا الْمَرْءَةُ الصَّالِحَةُ۔ [3]

---

[1] صحیح بخاری، کتاب النکاح، باب مایتقیٰ من شئوم المرءۃ۔ صحیح مسلم، کتاب الرقاق، باب اکثر اہل

[2] صحیح مسلم۔ کتاب الرقاق۔ باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء وبیان الفتنۃ بالنساء۔

[3] صحیح مسلم۔ کتاب الرضاع۔ باب خیر متاع الدنیا المرءۃ الصالحۃ۔

"دنیا ساری ہی فائدے کا سامان ہے اور سب سے اچھا سامان نیک عورت ہے۔

لیکن جن عورتوں پر نیکی اور طلبِ آخرت کا غلبہ نہیں ہوتا وہ مردوں کے لیے یقیناً فتنے فساد، اور نیکی سے دُوری کا سبب بنتی ہیں۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ وہ خود بھی بُرائی کا شکار ہو کر جہنّم کا راستہ اختیار کرتی ہیں اور دوسروں کے لیے بھی بُرائی اور جہنّم کا سبب بنتی ہیں۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

قُمْتُ عَلٰى بَابِ النَّارِ فَإِذَا عَامَّةُ مَنْ دَخَلَهَا النِّسَاءُ۔[1]

"میں جہنّم کے دروازے پر کھڑا ہوا تو کیا دیکھتا ہوں سب سے زیادہ اس میں عورتیں ہی داخل ہوتی ہیں۔"

اولاد کی محبّت:

اولاد کی محبّت ایک فطری جذبہ ہے جو ہر انسان بلکہ حیوان میں پایا جاتا ہے۔ اگر یہ محبّت حدودِ شریعت میں رہے تو عظیم درجے اور مرتبے کا ذریعہ ہے ——— لیکن اگر یہ محبّت انسان کو حلال و حرام کی پہچان سے بے نیاز کر دے، فرائض سے غافل کر دے یا منکرات اور غلط اقدامات کی طرف لے جائے تو یقیناً بہت بڑا فتنہ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَّكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ۔[2]

"اے لوگو جو ایمان لاتے ہو، تمہاری بیویوں اور تمہاری اولاد میں سے بعض تمہارے دشمن ہیں، ان سے ہوشیار رہو!"

آگے چل کر فرمایا:

إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ۔[3]

---

[1] صحیح بخاری۔ کتاب الرقاق۔ باب صفۃ الجنۃ والنار۔ صحیح مسلم۔ کتاب الرقاق حدیث ۱۰۱

[2] سورت التغابن، آیت ۱۴۔

[3] سورت التغابن، آیت ۱۵۔

"تمہارے مال اور تمہاری اولاد تو ایک آزمائش ہیں۔"

جو تعلق اور رشتہ انسان کو حقوق اللہ کی ادائیگی یا اخلاقِ فاضلہ سے محروم کر دے وہ یقیناً بہت بڑی آزمائش ہے۔ بسا اوقات اولاد کی محبّت بھی بہت سارے فرائضِ دینی ادا کرنے میں آڑے آجاتی ہے یا انسان کردار کی مضبوطی اور فاضلانہ اخلاق اپنانے کی بجائے کمزوری اور کوتاہی کا شکار ہو جاتا ہے، جس کی نشان دہی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مندرجہ ذیل فرمان میں موجود ہے:

اِنَّ اَلوَلَدَ مَبْخَلَةٌ، مَجْبَنَةٌ، مَجْهَلَةٌ، مَحْزَنَةٌ[۱]

"اولاد انسان کے بخل، بزدلی، جاہل رہنے (یا غصے میں آجانے) اور حزن و ملال کا سبب ہے۔"

اولاد سے فطری محبت کے باوجود انسان کو وہی قدم اُٹھانا چاہیے جو صحیح، معقول اور برحق ہو اس لیے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ اولاد کی محبّت میں وہ حقوق اللہ یا حقوق العباد کی ادائیگی سے قاصر رہے اور قیامت کے روز اسے جواب دہی کرنی پڑے۔

مال کی محبّت:

دیگر خدائی نعمتوں کی طرح مال بھی ایک عظیم نعمت ہے ــــ اور فطرۃً انسان اس سے محبّت بھی رکھتا ہے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

زُيِّنَ لِلنَّاسِ حُبُّ الشَّهَوَاتِ مِنَ النِّسَاءِ وَالْبَنِينَ وَالْقَنَاطِيرِ الْمُقَنْطَرَةِ مِنَ الذَّهَبِ وَالْفِضَّةِ وَالْخَيْلِ الْمُسَوَّمَةِ وَالْأَنْعَامِ وَالْحَرْثِ[۲]

"لوگوں کے لیے مرغوباتِ نفس ــــ عورتیں، اولاد، سونے چاندی کے ڈھیر، چیدہ گھوڑے،

---

[۱] مسند امام احمد ج۔۴، ص ۱۷۳، المستدرک للحاکم۔ کتاب معرفۃ الصحابۃ، باب ذکر الاسود بن خلف ۲/۲۹۶۔ امام حاکم اور محدث العصر الشیخ ناصر الدین الالبانی نے حدیث کو صحیح قرار دیا ہے جامع الصغیر ۱۹۹۰

[۲] سورت آل عمران۔ آیت ۱۴۔

مویشی اور زرعی زمینیں ـــــــ بڑی خوش آئند بنادی گئی ہیں۔

آیتِ کریمہ میں عورتوں اور اولاد کے بعد "مال" کو چار شکلوں میں ذکر کیا گیا ہے: سونا[۱] چاندی، عمدہ گھوڑے[۲]، مویشی[۳] اور زرعی[۴] زمینیں۔ یہ سب کی سب مال ہی کی قسمیں اور شکلیں ہیں۔

مال و دولت بذاتِ خود خیر ہی خیر ہے، لیکن اگر یہ سرکشی اور منہ زوری کا ذریعہ بن جاتے تو اس سے بڑا شر کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

كَلَّآ اِنَّ الْاِنْسَانَ لَيَطْغٰىٓۙ۝ اَنْ رَّاٰهُ اسْتَغْنٰى۝[۱]

"ہرگز نہیں! انسان سرکشی کرتا ہے، اس بنا پر کہ وہ اپنے آپ کو غنی اور بے نیاز دیکھتا ہے۔"

مال کے غلط استعمال کی وجہ سے آنے والی ہلاکت و بربادی کی طرف توجہ دلاتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

فَاَبْشِرُوْا وَاَمِّلُوْا مَا يَسُرُّكُمْ، فَوَاللّٰهِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ وَلٰكِنْ اَخْشٰى عَلَيْكُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَيْكُمُ الدُّنْيَا كَمَا بُسِطَتْ عَلٰى مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ فَتَنَافَسُوْا فِيْهَا كَمَا تَنَافَسُوْهَا وَتُهْلِكَكُمْ كَمَا اَهْلَكَتْهُمْ[۲]

"تم خوش ہو جاؤ اور مسرت بخش حالات کی امید رکھو۔ قسم بخدا میں تمہارے متعلق غریبی اور فقر (کے فتنے) سے نہیں ڈرتا البتہ مجھے اس بات کا خدشہ ضرور ہے کہ تمہیں دنیا وافر مقدار میں ملے جیسے کہ تم سے پہلے لوگوں کو ملی تھی۔ تو جس طرح وہ لوگ دنیا کی دوڑ میں پڑ کر ہلاک ہو گئے، کہیں تم بھی اس کی دوڑ میں پڑ کر ہلاک نہ ہو جاؤ۔"

---

۱ سورت العلق، آیت ۶-۷

۲ صحیح بخاری۔ کتاب الجزیۃ والموادعۃ

صحیح مسلم۔ کتاب الزہد والرقاق۔ باب اوّل۔ کتاب کے شروع میں آٹھویں حدیث۔

اور اگر دنیا پرستی کی دوڑ انسان کو فرائض سے غافل کر دے تو پھر دنیا بھی گھاٹے میں اور آخرت بھی خسارے میں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا[1]

"ان کے مال و دولت اور ان کی کثرتِ اولاد تمہیں خوشنما نہیں لگنی چاہیے۔ اللہ تو یہ چاہتا ہے کہ انہی چیزوں کے ذریعے سے ان کو دنیا کی زندگی میں بھی مبتلائے عذاب کرے۔"

اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ نے پیشگی توجہ دلاتے ہوئے فرمایا:

يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ[2]

"اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تمہارے مال اور تمہاری اولادیں تم کو اللہ کی یاد سے غافل نہ کر دیں۔ جو لوگ ایسا کریں وہی خسارے میں رہنے والے ہیں۔"

چنانچہ اگر انسان کا ایمان قوی ہو اور زندگی میں خوفِ خدا کا رنگ غالب ہو تو انسان مال جیسی دو دھاری تلوار سے نیکیاں ہی نیکیاں سمیٹ سکتا ہے لیکن اگر ایمان و تقویٰ سے دامن خالی ہو تو یہ مال انسان کو گمراہی اور بے راہ روی کی راہ پر ڈالنے میں بڑا معاون ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ جب وسائلِ شر موجود ہوں اور خوفِ خدا کا فقدان ہو تو برائیوں سے بچ رہنا سخت مشکل ہے۔

---

[1] سورت التوبہ، آیت ۵۵۔

[2] سورت المنافقون، آیت ۹۔

HOUSE OF QUALITY BEARINGS

KHALID TRADERS

IMPORTER, INDENTOR, STOCKIST, SUPPLIER, OF ALL KINDS OF BALL, ROLLER & TAPER BEARINGS

WE HAVE :
- BEARINGS FOR ALL INDUSTRIES & MARINE ENGINES.
- AUTOMOTIVE BEARINGS FOR CARS & TRUCKS.
- BEARINGS UNIT FOR ALL INDUSTRIAL USES.
- MINIATURE & MICRO BEARINGS FOR ELECTRICAL INSTRUMENTS.

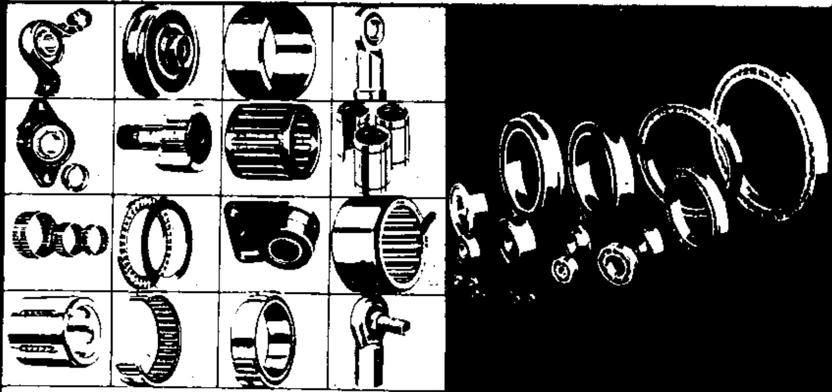

INA PRODUCTS

DISTRIBUTOR

ROD KBC EZO

EZO HIGH PRECISION

MINIATURE BEARINGS
EXTRA THIN TYPE BEARINGS
FLANGED BEARINGS
BORE DIA .1 mm TO 75 mm

STOCKIST

TR NACHI Koyo NSK INA SKF NTN

CONTACT : TEL. 732952 - 735883 - 730595
G.P.O BOX NO.1178.OPP KMC WORKSHOP
NISHTER ROAD, KARACHI - PAKISTAN
TELEX: 24824 TARIQPK. CABLE: DIMAND BALL.

بحث ونظر

انگریزی زبان میں قرآن کی تبلیغ

جناب اصغر حبیب (جدہ)

برادرم اصغر حبیب صاحب کا درج ذیل خط جناب طارق یوسف رجبی (انگلینڈ) کے اس خط کے جواب میں ہے جو 'میثاق' کی نومبر ۹۰ء کی اشاعت میں شائع ہوا تھا۔ مکتوب نگار کے عمومی مزاج اور اسلوب کے برعکس اس خط کا لہجہ بہت تلخ اور تند و تیز ہے لیکن چونکہ اس میں بعض باتیں نہایت اہم' اور ہم سب کے لئے قابل توجّہ ہیں لہٰذا اسے بعض زیادہ نوکیلے الفاظ کے حذف کے ساتھ شائع کیا جا رہا ہے ...... امید ہے کہ جناب طارق رجبی بھی اسے اسی طور سے پڑھیں گے' اور توجہ کو عبارت کی ظاہری تلخی کے پردے میں چھپے ہوئے خلوص و اخلاص پر مرکوز رکھیں گے ــــ جہاں تک نفسِ مسئلہ کا تعلق ہے اپنے حالیہ سفرِ امریکہ و ملائشیا کے دوران بعض نئے مشاہدات کی بنا پر میری ذاتی رائے بھی یہ بن چکی ہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے جس انقلابی فکر سے روشناس کیا ہے اسے انگریزی میں منتقل کرنا بہت ضروری ہے۔ اس میں اصل فیصلہ کن عامل تو ملائشیا کے حالات کا مشاہدہ ہے جہاں مسلمان نوجوان نہایت کثیر تعداد میں اسلام کی سربلندی کے لئے محنت کر رہے ہیں' اور اُن کے قلوب و اذہان تک ابلاغ و تبلیغ کے لئے ہمارے پاس انگریزی کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے' ــــ مزید برآں اس بار کیلیفورنیا میں برادرم ڈاکٹر عبدالمجید (ڈینٹل سرجن) کے اس جملے سے تو میں چونک سا گیا کہ "نئی نسل کا معاملہ تو بالکل مختلف ہے ہی اب تو ہمارا اپنا حال یہ ہوگیا ہے کہ آپ کی انگریزی تقریر سے جو حظ مجھے حاصل ہوا' وہ اردو تقریر سے نہیں ہوا!" گویا جو نسل دیارِ مغرب میں منتقل ہوئی تھی بیس پچیس سال اس ماحول میں رہنے کے بعد خود اُن کی کیفیات اس درجہ تبدیل ہو چکی ہیں کہ اب وہ بھی اردو سے مانوس نہیں رہے! واضح رہے کہ ڈاکٹر صاحب موصوف کا تعلق

ساہیوال (منٹگمری) سے ہے اور وہ اس زمانے میں کالج کے طالبعلم تھے جب ۶۱-۱۹۶۰ء کے لگ بھگ میں سبزی منڈی ساہیوال کی جامع مسجد میں خطبہ جمعہ دیا کرتا تھا اور وہ اس میں ذوق و شوق کے ساتھ شرکت فرمایا کرتے تھے! ــ اب اگر اُن کا حال یہ ہوگیا ہے تو "تا بہ نسلِ نوچہ می رسد!" ...... ع "قیاس کن ز گلستان من بہار مرا!" ...... تاہم اس معاملے میں میری رائے بھی وہی ہے جو جناب اصغر حبیب کی ہے 'یعنی یہ اصلاً میری ذمہ داری نہیں' بلکہ اُن کی ہے جنہوں نے دیار مغرب میں جا ڈیرے لگائے ہیں' ہم صرف مدد اور تعاون کر سکتے ہیں جس کے لئے ہم بسرو چشم حاضر ہیں! ــ چنانچہ حالیہ سفر سے واپسی کے دوسرے ہی دن جمعہ ۲۸ دسمبر کو جو خطاب میں نے انجمن خدام القرآن لاہور کی ایک تقریب میں کیا' اس میں اپنے اس فیصلے کا اعلان کر دیا تھا کہ اب انجمن ایک خاص منصوبہ کے تحت ایسے نوجوانوں کی ٹیم تیار کرنے کی کوشش کرے گی جو قرآن حکیم کے فلسفہ و حکمت' اور اس کی انقلابی دعوت اور منہاج کو انگریزی میں درسِ قرآن کے ذریعے پیش کر سکیں۔ اور اس غرض کے لئے قرآن اکیڈمی کی فیلو شپ اسکیم کو دوبارہ شروع کر دیا جائے گا! (واضح رہے کہ برادرم اصغر حبیب کا خط میری نظر سے اس تقریب کے دو روز بعد گزرا!) ــ اس سلسلے میں دیارِ مغرب میں رہائش اختیار کرنے والے دردمند اور مخلص حضرات سے گزارش ہے کہ اگر وہ ہمیں دس بارہ ایسے نوجوان عطا کر سکیں جو امریکی نظام کے مطابق ہائی اسکول سے فارغ ہو چکے ہوں' اور برٹش سسٹم کے مطابق 'A' لیول کر چکے ہوں' اور خود بھی دینی جذبہ کے حامل ہوں تو ہم ان کے لئے قرآن اکیڈمی میں دو سالہ کورس کے ایک سپیشل گروپ کی تعلیم و تدریس کا خصوصی اہتمام کر سکتے ہیں جس میں انہیں عربی زبان بھی انگریزی میڈیم ہی کے ذریعے پڑھائی جائے گی ــ اور منتخب نصاب کا درس بھی بشرط حیات و صحت میں خود دوں گا' اور اللہ نے چاہا تو انہیں ذہناً اور قلباً اس درجہ تیار کر دوں گا کہ جیسے اب پاکستان میں بحمد اللہ ڈھائی درجن کے لگ بھگ اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوان اردو میں درسِ قرآن کی خدمت سرانجام دے رہے ہیں اور میرے مشن کو آگے بڑھا رہے ہیں' اسی طرح یہ نوجوان دیار مغرب میں اس فریضے کو سرانجام دے سکیں گے ......

بات قدرے مشکل ضرور ہے ناممکن نہیں ! اور اللہ کی جناب سے تائید ہو جائے تو مشکل بھی نہیں !! " واللہ غالب علی امرہ ولکن اکثر الناس لا یعلمون " ______ خاکسار اِسـرار احمد عفی عنہ

محترم جناب ڈاکٹر صاحب

السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ و مغفرتہ ...... مزاج گرامی!

ماہنامہ " میثاق " نومبر ۱۹۹۰ء میں جناب طارق یوسف رجبی صاحب کا مکتوب ...... تین مرتبہ ...... پڑھا۔ اس سلسلے میں کچھ کہنا چاہتا ہوں ...... جو کہ مندرجہ ذیل ہے ۔

۱۔ اس میں کیا شک ہے کہ جدید زمانے میں انگریزی میں دورۂ ترجمۂ قرآن کی ضرورت و اہمیت بہت زیادہ ہے۔جس کا ذکر آپ بنفس نفیس ایک سے زائد مرتبہ مختلف موقعوں پر کر چکے ہیں ۔ اگرچہ آپ نے گزشتہ سال امریکہ میں ایسا کرنے کا پروگرام بھی بنایا تھا مگر کئی وجوہات کی بنا پر آپ ایسا نہ کر سکے بلکہ ان وجوہات کو آپ نے تحریر بھی کر دیا ہے ۔ اور جب میں نے ان وجوہات کو پڑھا تو میں نے دل و جان سے تصدیق کی کہ واقعی ڈاکٹر صاحب پر اب یہ بہت ہی اضافی بوجھ ہو گا ! بہرحال اللہ تعالیٰ کے ہاں معاملات قیامت کے روز نیت کے مطابق نمٹائے جائیں گے اور میں اللہ تعالیٰ سے بھرپور امید اور دعا کرتا ہوں کہ آپ انشاء اللہ ثم انشاء اللہ عند اللہ ماجور ہوں گے ۔

۲۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کام ! ...... صرف آپ ہی کیوں ؟ ...... اگر آپ نے بقول طارق صاحب "Medicine" پڑھی اور "English Medium" میں پڑھی مگر آپ نے تو اتنی بڑی قربانی دی کہ اس پروفیشن اور میڈیم کو تج کر آپ نے اردو میں مہارت تامہ حاصل کی ۔ ساتھ ہی اسلامیات پڑھی اور عربی بھی تاکہ آپ قیامت کے روز اللہ تعالیٰ کے ہاں گواہی دے سکیں (انشاء اللہ آپ فلاح یاب ہوں گے) کہ اللہ تعالیٰ تو نے مجھے جس زبان کے لوگوں میں پیدا فرمایا اُن کو میں نے تیرا قرآن خوب خوب سنا دیا ' پڑھوا دیا ' ریکارڈ کروا دیا۔اور یہ عمل ایک سے زائد بار کیا اور خود بھی الحمد للہ حسبِ استطاعت عمل کر لیا تاکہ لوگوں کے لئے بھی ایک عملی نمونہ بن سکوں صرف اسی پر بس نہیں بلکہ میں اپنے ہم وطنوں کے پیچھے پیچھے گیا وہ جہاں بھی کسب معاش کے لئے چلے

گئے تھے ...... وہاں ان کو جا کر اس ابدی پیغام کی یاددہانی کرائی ...... اور آپ نے الحمد للہ یہ کام فی سبیل اللہ کیا (اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَی الَّذِیْ فَطَرَنِیْ... سورہ ہود آیت ۵۰) ...... نیز آپ کا پیغام آڈیو، وڈیو، کتب کی شکل میں اُن ملکوں اور شہروں و قصبوں میں بھی پہنچ چکا ہے جہاں آپ کبھی گئے بھی نہیں ...... اب اس کے بعد بھی طارق صاحب کا یہ کہنا ... "آپ کا بھی ایک ضروری فرض چھوٹ رہا ہے" ... اور ... "آپ یہ فرض کیوں چھوڑے دے رہے ہیں" ...... نہ صرف یہ کہ زیادتی ہے بلکہ اس سے تو متبادر ہوتا ہے کہ شاید وہ آپ کو خدانخواستہ ایک نبی کے برابر سمجھ بیٹھے ہیں!

۳۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ طارق صاحب نے خود اپنی زندگی میں کیا کیا۔ یہی نا کہ انہوں نے اپنے ملک کو خیرباد کہا اور انگریز کی یا اس کے ملک کی خدمت کے لئے اس کے گھر/ ملک میں جا کر آباد ہو گئے اور کبھی پلٹ کر بھی نہ دیکھا کہ جس نفس کو اللہ تعالیٰ کے ہاتھ بیچنا تھا وہ انگریز کے ہاتھ محض ایک انگلش نیشنلٹی کی خاطر بیچ دیا۔ اور اب جبکہ آپ اپنے طور پر ان کو یا ان ہی کی طرح کے دوسرے اردو بولنے والوں کو بھولا ہوا سبق یاد دلانے کے لئے اُن کے گھر پہنچے تو وہ اب یہ اعتراض کر رہے ہیں کہ آپ سے ایک فرض چھوٹ رہا ہے۔ اس کے برعکس ہونا یہ چاہئے تھا کہ طارق صاحب نے جب آپ کے ۱۵۰ کیسٹ دیکھے یا سنے تھے اور اُن کا جذبۂ ایمانی کسی بھی درجے میں بیدار ہوا تھا (اللہ کرے کہ مزید جاگے) تو وہ فوراً اس ملک کو خیرباد کہہ دیتے اور آپ کے ہمنوا اور رفیق بن کر اِس تحریک میں عملاً حصہ لیتے اور چونکہ خود انگریزی جانتے ہیں لہٰذا خود اُس کا ترجمہ کرتے اور لوگوں کے سامنے پیش کرتے!

۴۔ دورانِ تحریر اُنہوں نے اُن لوگوں کی بھی تضحیک کی ہے جو کسی بھی درجے میں مذہب پر عمل پیرا ہیں اور اُس سلسلے میں بہت ہی گھٹیا ریمارکس پاس کئے ہیں۔ بلکہ ایک جگہ اس عمل کو Vicious Circle کہا ہے۔ دراصل یہ طارق صاحب کا قصور نہیں ... ... کفر کے ماحول اور ایسے مشرک لوگوں کے معاشرے میں رہنے کے نتائج ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے "نجس" کہا ہے اور جن کا نقشہ اللہ تعالیٰ نے سورۃ المطففین کی آخری آیات میں کھینچا ہے۔ دراصل اس قسم کی سوچ رکھنا اور دین پر چلنے کی کوشش کرنے والے غریب لوگوں کو گھٹیا سمجھنا اور اُن سے دور رہنا ...... یہ اُن لوگوں کے اذہان کی پیداوار

ہوتی ہے جو ناجائز طریقوں سے "مترفین" بن جاتے ہیں۔ ایسے مترفین کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ الواقعہ میں "اصحاب الشمال" کا لفظ استعمال کیا ہے اور اِن اصحاب الشمال کی تعریف میں کہا ہے کہ "اِنَّھُمْ کَانُوْا قَبْلَ ذٰلِکَ مُتْرَفِیْنَ"

۵۔ اسی میثاق کے صفحہ ۶۱ پر طارق صاحب نے آپ کی بے جا تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے کہ "آپ ہی یہ کام کر سکتے ہیں اس دور میں۔ ہمیں کوئی دوسرا انسان نظر نہیں آتا!" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تعریف سے منع فرمایا ہے ع "تعریف اس خدا کی جس نے جہاں بنایا"۔ جس نے ڈاکٹر اسرار احمد کو بھی بنایا اور ہدایت سے سرفراز فرمایا اور جس نے ہر ہر چیز کو پیدا فرمایا ...... کُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَۃُ الْمَوْتِ ...... کُلُّ مَنْ عَلَیْھَا فَانٍ...... میں نے قرآن حکیم کے دو مقامات میں سے یہ الفاظ اس لئے نقل کئے کہ آپ Ind-ispensable نہیں ہیں۔ جیسا کہ طارق صاحب نے کہا ہے کہ ہمیں کوئی اور انسان نظر نہیں آتا ...... اُن کا یہ استدلال غلط ہی نہیں لغو بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِس پیغام کو قیامت تک باقی رکھنے کا خود بندوبست فرمایا ہے ...... چونکہ اب کوئی نبی نہیں آئے گا لہٰذا یہ کام اللہ تعالیٰ جس سے، جس طرح، جس جگہ، جس وقت چاہیں گے کرواتے رہے ہیں اور کرواتے رہیں گے۔

۶۔ آخر میں طارق صاحب نے لکھا ہے کہ "اگر میں گستاخی کر گیا ہوں یا آپ کا وقت ضائع کر رہا ہوں"... میں یہ کہنا چاہوں گا کہ اگر گستاخی نہیں تو کم از کم وقت ضرور ضائع کیا ہے۔ دراصل مشورہ دینا، ریمارکس پاس کرنا ...... کسی پر کیچڑ اچھالنا وغیرہ، بہت آسان ہے۔ دیکھنا یہ ہے کہ انسان خود کتنا میدان میں آگے بڑھتا ہے۔ اور خود کتنی مالی و بدنی قربانی دیتا ہے۔

آخر میں یہ عرض کروں گا کہ یہ آپ پر کسی طور پر فرض نہیں کہ آپ انگریزی میں دورہ ترجمہ قرآن ریکارڈ کرائیں۔ میں اس کی اہمیت و ضرورت سے انکار نہیں کر رہا بلکہ آپ پر جو فرضیت عائد کی جا رہی ہے، اُس کی نفی کر رہا ہوں۔

اللہ تعالیٰ آپ کو صحت دے، ہدایت پر قائم رکھے اور خاتمہ بالایمان ہو۔ والسلام

دعاگو

آپ کا مامور

حبیب

سرگودھا میں تنظیم اسلامی کے زیرِ اہتمام

جلسۂ عام

اکتوبر کے وسط میں مرکزی مجلس شوریٰ کے اجلاس میں شرکت کے بعد ناظمِ حلقہ ملک احسان الٰہی صاحب نے جلسہ سرگودھا کے مجوزہ پروگرام کے بارے میں رفقاء کو آگاہ کیا۔ جلسے کے لئے ۲۹ نومبر جمعرات کا دن مقرر کیا گیا۔ اس طرح ہمارے پاس جلسہ کی تشہیر اور تیاری کے لئے تقریباً ڈیڑھ ماہ کا عرصہ تھا۔ جلسہ کے تفصیلی پروگرام کے بارے میں سرگودھا کے رفقاء سے مشورہ کی خاطر احسان الٰہی صاحب اور راقم ۱۷ اکتوبر کو سرگودھا گئے۔ اسی روز اسرہ سرگودھا کا ہفت روزہ اجتماع بھی تھا۔ اجتماع میں رفقاء کو جلسہ سے آگاہ کیا گیا اور باہم مشورہ ہوا۔ جلسے میں امیر تنظیم کے خطاب کے عنوان کے بارے میں سب سے بہتر رائے رفیق اسرہ سرگودھا جناب خان محمد صاحب کی سامنے آئی جس سے سبھی نے اتفاق کیا یعنی "اسلام کیا ہے اور موجودہ دور میں اس کے نفاذ کا طریق کار"۔ جلسہ کے لئے ابتداءً کمپنی باغ سے ملحق جناح ہال تجویز کیا گیا مگر بعد میں امیر محترم کی ہدایت کے بموجب کہ جلسہ کھلی جگہ پر ہونا چاہئے' اس کے لئے کمپنی باغ کا تعین کیا گیا۔ طے کیا گیا کہ اولاً علماء دین' آئمہ حضرات اور شہر کی مرکزی شخصیات کے ساتھ انفرادی ملاقاتیں کی جائیں اور ساتھ ساتھ غیر فعال اور دیہات و قصبات میں رہنے والے رفقاء سے ملاقاتیں کی جائیں اور انہیں جلسے میں شرکت کی دعوت دی جائے۔

چنانچہ اللہ کا نام لے کر اگلے ہی روز سے کام کی ابتداء کر دی گئی۔ اس موقع پر رفیق محترم جناب ریاض احمد گھمن صاحب کا تذکرہ نہ کرنا یقیناً ناانصافی ہوگی کہ انہوں نے اِس کام میں ہمارے ساتھ بہت تعاون فرمایا اور بہت سی اہم شخصیات کے ساتھ ہماری ملاقاتیں کروائیں جن سے ہم نے امیر محترم کی ذات کے حوالہ سے تنظیم کا تعارف کروایا اور جلسہ کے بارے میں آگاہ کیا اور مطالعے کے لئے انہیں تنظیم کا لٹریچر بھی دیا۔ آئمہ حضرات اور علماء سے ملاقاتوں کا یہ سلسلہ بہت سودمند رہا۔ اکثریت کی طرف سے مثبت ردعمل سامنے آیا بلکہ تجاویز بھی ملیں جن کی روشنی میں ہم اپنے کام کو بہتر طور پر آگے بڑھاتے رہے۔

۳۱ اکتوبر کو اجتماع اسرہ میں جلسہ کے لئے تشہیری پروگرام کو حتمی شکل دے دی گئی۔ اس

ضمن میں رفقاء کو علیحدہ علیحدہ ذمہ داریاں تفویض کی گئیں۔ پہلے مرحلے کے لئے طے کیا گیا کہ اندرون شہر اور بیرون شہر میثاق کے خریداروں سے ملاقاتیں کی جائیں۔ دوسرے مرحلے کے پروگرام میں پورے شہر اور اردگرد مضافات کا ایک راؤنڈ شامل تھا جس میں صرف تنظیم اور دفتر تنظیم کا تعارف کرانا مقصود تھا۔ تیسرے مرحلے میں بھی شہر کا ایک مکمل اور بھرپور راؤنڈ پیشِ نظر تھا جس میں کہ عوام الناس کو امیر محترم کی آمد اور جلسہ سے آگاہ کرنا تھا۔ ان کاموں کے لئے ہمہ وقت ڈیوٹی تو راقم ہی کی رہی جس میں رفقاءِ فیصل آباد کی معاونت اور اسرہ سرگودھا کے رفقاء کی رہبری شامل تھی۔ جلسہ کے تمام کاموں کی نگرانی جناب ناظم حلقہ ملک احسان الٰہی صاحب براہ راست فرما رہے تھے اور وقتاً فوقتاً رفتار کار کا جائزہ بھی لیتے رہے اور مناسب ہدایات سے بھی نوازتے رہے۔

پہلے مرحلے کے کام کا آغاز فوری طور پر کر دیا گیا۔ اِس مرحلے پر مجھے ریاض احمد گھمن صاحب اور تاثیر صاحب کی معیت حاصل تھی۔ سلانوالی روڈ پر ۵ دیہات کا راؤنڈ کیا گیا، متعدد افراد کے ساتھ انفرادی ملاقاتیں کی گئیں، انہیں تنظیم کا لٹریچر اور منشور مطالعے کے لئے دیا گیا اور انہیں امیر محترم کی آمد اور جلسہ سے آگاہ کیا۔ اس سلسلے میں خوشاب، جوہر آباد اور چک نمبر 58 ـ MB کا راؤنڈ بھی کیا گیا۔ جوہر آباد کالج کے طلبہ میں تین صد کے لگ بھگ اسلام کا انقلابی منشور نامی پمفلٹ تقسیم کئے گئے۔ اندرون شہر میثاق کے خریداروں سے بھی ملاقاتیں کی گئیں، انہیں بھی جلسہ سے آگاہ کیا اور شرکت کی دعوت دی۔

ناظم حلقہ جناب احسان الٰہی ملک صاحب، غلام اصغر صدیقی، رانا عبدالشکور، میاں محمد اسلم اور ریاض احمد گھمن کے ہمراہ بھاگٹانوالہ، کوٹ مومن اور چک نمبر ۲۰ جنوبی گئے۔ وہاں مختلف افراد سے انفرادی ملاقاتیں کیں اور انہیں جلسہ سے آگاہ کیا۔ اِن کے علاوہ ایک راؤنڈ چک نمبر ۹۹ جنوبی، نمبر ۱۰۷ جنوبی، نمبر ۱۱۱ جنوبی کا بھی کیا۔ اس دورہ میں راقم اور ناظم حلقہ جناب ملک صاحب نے ۶ مختلف مساجد میں ظہر، عصر اور مغرب کی نمازوں کے بعد نمازیوں کے آگے فرائض دینی کے جامع تصور کے حوالے سے دعوت دین پیش کی اور انہیں انقلابی طریقہ سے اسلام کے نفاذ کی عملی جدوجہد کے طریق کار سے آگاہ کیا۔

دوسرا مرحلہ عوام الناس میں اعلانات کے ذریعے تنظیم و دفتر تنظیم کے تعارف پر مشتمل تھا۔ اِس مرحلہ میں اعلان کے ساتھ ساتھ ہینڈ بلز کی تقسیم بھی شامل تھی۔ چنانچہ شہر اور اردگرد کی آبادیوں کو ۷ حصوں میں بانٹ دیا گیا اور روزانہ ایک حصے کو ٹارگٹ بنانے کا فیصلہ ہوا۔

چنانچہ پروگرام کے مطابق ہم گاڑی لے کر صبح ۱۱ بجے کے قریب نکلتے اور مقررہ علاقے میں جگہ جگہ رک کر تنظیم کا تعارف کراتے اور دکانداروں اور راہ گیروں میں ہینڈ بلز تقسیم کرتے تھے۔

یہ پروگرام پورے نظم و ضبط کے ساتھ اپنے طے شدہ شیڈول کے مطابق آگے بڑھتا رہا اور بالآخر ۲۶ نومبر کو اختتام پذیر ہوا۔ تشہیری مہم کے اس مرحلے میں میرے ہمراہ رفقاء سرگودھا اور رفقاء فیصل آباد نے خوب بڑھ چڑھ کر کام کیا۔

اس مرحلہ پر اسرہ سرگودھا کے نقیب جناب غلام اصغر صدیقی صاحب نے اپنے حصہ کا کام اس طور پر نمٹایا کہ روزانہ شام ۴ بجے دفتر سے فراغت کے بعد ایک معاون کو ساتھ لے کر عشاء تک اپنے طور پر مختلف علاقوں کا راؤنڈ کر کے اعلانات کے ذریعہ سے تنظیم و دفتر تنظیم کا تعارف کرواتے اور ہینڈ بلز وغیرہ بھی تقسیم کرتے۔ یقیناً شہر اور بیرونی آبادیوں میں تنظیم کا تعارف کرانے میں صدیقی صاحب کی مساعی کو بہت دخل حاصل ہے۔ فجزاہ اللہ احسن الجزاء۔

اس مہم کے تیسرے اور آخری مرحلے میں لاؤڈ سپیکرز پر اعلانات کے ذریعے امیر محترم کی آمد اور جلسہ کے پروگرام سے عوام الناس کو آگاہ کرنا' ہینڈ بلز کی تقسیم' اشتہارات کا چسپاں کرنا اور بینرز کا آویزاں کرنا شامل تھا۔ اس سلسلے میں اولاً شہر کے بارونق بازاروں اور چوراہوں پر اور کالجوں کے Gates کے سامنے مکتبہ لگایا گیا اور ساتھ ہی ساتھ امیر محترم کی آمد اور جلسہ کا اعلان بھی کیا جاتا رہا۔ اس کے بعد دوسرے مرحلے کی طرح شہر کے انہی ۷ طے شدہ علاقوں کا راؤنڈ کیا گیا اور لاؤڈ اسپیکرز پر امیر محترم کی آمد اور جلسہ کے اعلانات نشر کئے گئے اور ساتھ ساتھ ہینڈ بلز کی تقسیم بھی ہوتی رہی۔ نماز عشاء کے فوراً بعد تمام رفقاء کے ۲ گروپس بن جاتے اور شہر کے بارونق بازاروں' چوکوں اور مساجد میں اشتہار چسپاں کئے جاتے۔ اس مرحلہ پر اسرہ سرگودھا کے رفقاء نے انتہائی جانفشانی سے کام کیا جس کی تحسین نہ کرنا یقیناً نامناسب ہوگا۔ بالخصوص رفیق محترم جناب عبداللہ صاحب نے نہ صرف یہ کہ خود بھرپور طور پر ہمارا ساتھ دیا بلکہ ہمارے کام میں تعاون کے لئے ہمیں ۳ نوجوان بھی مہیا کئے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم اور خاص توفیق سے تمام کام بحسن و خوبی انجام پائے۔ تنظیم کے مقامی دفتر کا تعارف کروانے کا ایک فوری فائدہ یہ سامنے آیا کہ لوگ دفتر میں آنا شروع ہوئے اور رفقاءِ تنظیم سے عوام الناس کا رابطہ شروع ہوگیا۔

بالآخر ۲۹ نومبر کا دن بھی آن پہنچا۔ آج کے دن رفقاء کی ذمہ داریاں اور کام میں ان کی مشغولیت اپنے عروج پر تھی۔ ۲۸ نومبر کی شام ناظم حلقہ جناب ملک احسان الٰہی صاحب نے رفقاء کا اجلاس طلب کیا' کام کا جائزہ لیا اور جلسہ کے انتظامی کام مختلف رفقاء میں تقسیم کئے۔

۹ بجے کے قریب امیر محترم مع چند دیگر رفقاء کے سرگودھا پہنچ گئے۔ اسٹیشن سے امیر محترم کو محمد تاثیر صاحب کے گھر لے جایا گیا جہاں اُن کے قیام و طعام کا بندوبست کیا گیا تھا۔ قریباً دس بجے امیر محترم رفقاء کے ہمراہ کمرشل کالج پہنچے جہاں انہیں کالج کے طلبہ اور اساتذہ

سے خطاب کرنا تھا۔ خطاب کا موضوع تھا: "اسلام اور پاکستان"۔ امیر محترم کے اس خطاب کو تین صد کے قریب افراد نے پوری توجہ کے ساتھ سنا۔ بعد از خطاب سامعین میں تنظیم کے تعارف پر مشتمل پمفلٹ تقسیم کیا گیا۔ ساڑھے بارہ بجے کالج سے فراغت ہوئی۔

جلسہ گاہ کے تمام انتظامات نماز عشاء سے قبل مکمل ہو چکے تھے۔ تمام رفقاء اپنی اپنی ڈیوٹیوں پر پوری تندہی کے ساتھ مصروف عمل تھے۔ ماحول آہستہ آہستہ کافی خنک ہو چکا تھا۔ سرد ہوا نے موسم کو مزید سرد کر دیا تھا' اس پر کمپنی باغ کا ماحول مزید سونے پر سہاگہ کا کام دے رہا تھا۔ پاؤں تھے کہ موٹی موٹی جرابوں اور بند بوٹوں میں بھی یخ ہوئے جاتے تھے۔ نماز عشاء سے فراغت کے بعد رفقاء دوبارہ اپنی اپنی جگہوں پر پہنچ چکے تھے۔ امیر محترم تقریباً ۸ بجے جلسہ گاہ میں تشریف لائے۔ پروفیسر غازی احمد صاحب کو بھی دعوت دی گئی تھی' وہ بھی تشریف لا چکے تھے۔ سٹیج سیکرٹری کے فرائض اسرہ سرگودھا کے نقیب جناب غلام اصغر صدیقی صاحب نے ادا کئے۔ سوا آٹھ کے قریب جلسہ کی کارروائی کا آغاز کیا گیا۔ سب سے پہلے حافظ مقبول احمد صاحب رفیقِ تنظیم اسلامی فیصل آباد کو تلاوت کلام پاک کی دعوت دی گئی۔ تلاوت کے بعد صدیقی صاحب نے سب سے پہلے ناظم حلقہ جناب ملک احسان الٰہی صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی۔ ان کے بعد غازی احمد صاحب کو کرسی صدارت پر جلوہ افروز ہونے کی دعوت دی گئی۔ پھر تنظیم اسلامی پاکستان کے ناظم اعلیٰ ڈاکٹر عبدالخالق صاحب کو اور آخر میں امیر تنظیم اسلامی جناب ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کو سٹیج پر تشریف لانے کی دعوت دی گئی۔ آغاز میں صدیقی صاحب نے امیر محترم اور ان کی دعوتی و تحریکی کاوشوں کا مختصر تعارف کروایا۔ پھر امیر تنظیم اسلامی فیصل آباد جناب ڈاکٹر عبد السمیع صاحب نے تقریباً ۱۵ منٹ تک تنظیم کا تعارف کروایا۔ بعد ازاں صدر جلسہ جناب غازی احمد صاحب کو مائیک پر آنے کی دعوت دی گئی۔ غازی احمد صاحب نے اپنے مخصوص انداز میں حاضرین سے خطاب کیا اور اختصار کے ساتھ یہ بتایا کہ وہ کیونکر دائرہ اسلام میں داخل ہوئے اور انہوں نے تنظیم اسلامی میں کیسے شمولیت اختیار کی۔

آخر میں ۹ بجے کے قریب جنابِ امیر کو دعوت خطاب دی گئی۔ خطبہ مسنونہ اور آیت قرآنیہ کی تلاوت کے بعد جناب امیر نے اپنی جامع' مدلل اور پُر مغز تقریر کا آغاز کیا جو تقریباً ۱۱ بجے شب تک جاری رہی۔ سامعین نے انتہائی دلجمعی سے پرسکون انداز میں خطاب کو سنا۔ خطاب اتنا جامع اور دلنشیں تھا کہ وقت گزرنے کا احساس تک نہ ہوا۔ حاضری اندازاً چھ صد کے لگ بھگ تھی اور تقریباً سبھی افراد نے امیر محترم کے خطاب کو آخر تک جم کر سنا۔ چند ایک خواتین بھی ایک علیحدہ کیمپ میں امیر محترم کے خطاب کو سننے کے لئے موجود تھیں۔

اگلے روز صبح نو بجے دفتر ہی میں سوال و جواب کی نشست طے تھی جو ایک گھنٹہ جاری رہی۔ آخر میں اجتماعی دعا کے بعد امیر محترم فیصل آباد تشریف لے گئے جہاں انہیں نماز مغرب کے بعد ڈسٹرکٹ کونسل ہال میں درس قرآن دینا تھا۔ اس جلسے کا اہم ترین فائدہ یہ ہوا کہ سرگودھا شہر اور اس کے مضافات میں اس کے حوالے سے تنظیم اسلامی اور اس کے پیش نظر مقاصد کا بھرپور تعارف ہوگیا۔ ہم نے جو کچھ بھی سعی کی ہے اس کے لئے خداوند قدوس کے حضور دعاگو ہیں کہ وہ ہمارے ناقص اعمال کو اپنے عفو و کرم سے مکمل فرمائے اور ہماری ان کوششوں کو شرف قبول عطا فرمائے۔ (آمین)

مرتب: مختار احمد
(نائب ناظم حلقہ غربی پنجاب)

تنظیم اسلامی کراچی کے زیر اہتمام
ایک روزہ تبلیغی و تعارفی کیمپ کا انعقاد

کسی بھی دعوت اور فکر کو پھیلانے کے بہت سارے ذرائع ہیں لیکن ان میں ذاتی رابطہ ایک خاص اہمیت کا حامل ذریعہ ہے' جس کی اہمیت کو محسوس کرتے ہوئے امیر تنظیم اسلامی کراچی جناب نسیم الدین صاحب نے شہر میں تبلیغی و تعارفی کیمپوں کے انعقاد کا پروگرام بنایا۔ مقامی مشاورت میں طے پایا کہ ماہ بماہ کراچی تنظیم کے تمام زونوں میں یہ کیمپ لگائے جائیں گے اور اس سلسلہ کا پہلا تبلیغی کیمپ ۳۰ نومبر کو زون نمبر۸ میں لگایا جائے گا' جو لانڈھی اور کورنگی کے علاقوں پر مشتمل ہے۔ اس زون کے نقیب اعلیٰ جناب عبداللطیف کھوکھر صاحب ہیں' جنہوں نے اپنی بہترین صلاحیتوں کو بروئے کار لا کر اپنے زون میں تنظیم کو منظم کیا ہے۔ یہ زون اکثر و بیشتر نوجوان رفقاء پر مشتمل ہے جن میں جناب نوید احمد جیسے نوجوان بھی موجود ہیں جو کہ پیشہ کے لحاظ سے انجینئر ہیں اور اپنے فارغ وقت کا بیشتر حصہ درس قرآن کے ذریعے تنظیم اسلامی کی دعوت کو پھیلانے میں صرف کر رہے ہیں۔ چنانچہ اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ اسی زون کا حق تھا کہ تبلیغی و دعوتی کیمپ جیسے پروگرام کی ابتداء یہاں سے کی جاتی۔

تبلیغی کیمپ کے لئے لانڈھی نمبر۵ چراغ ہوٹل کے بس سٹاپ کی جگہ منتخب کی گئی۔ یہ جگہ اس لحاظ سے انتہائی موزوں تھی کہ مین روڈ پر واقع ہے اور ایک دوسری بڑی سڑک بھی اس

جگہ آکر ملتی ہے۔ مقررہ تاریخ کو رفقاء نے بڑے جوش و جذبے کے ساتھ شامیانے اور قناتیں لگا کر کیمپ قائم کیا۔ کیمپ میں قرآنی آیات کے ترجموں اور تنظیم اسلامی کی دعوت پر مشتمل بینرز آویزاں کیے گئے۔ بھرپور مکتبہ بھی لگایا گیا' جہاں تنظیم اسلامی کراچی کے ناظم جناب عبدالواحد عاصم صاحب آنے والوں کو خوش آمدید کہہ رہے تھے۔ کیمپ میں پبلک ایڈریس سسٹم کا انتظام بھی کیا گیا تھا جس کے ذریعے امیر محترم کے مختلف دروس کے کیسٹس سنوائے جا رہے تھے۔ وقفہ وقفہ سے تنظیم اسلامی کا تعارف کرایا جا رہا تھا اور دعوت بھی پیش کی جا رہی تھی۔ آنے جانے والوں کی اچھی خاصی تعداد جمع تھی۔

اس دعوتی و تبلیغی کیمپ میں زون نمبر۸ اور نمبر۶ کے تمام رفقاء کی شرکت لازمی تھی' جبکہ دوسرے زونز کے رفقاء کو ترغیب تھی کہ وہ اپنے اپنے زون کے ہفتہ وار درسِ قرآن کے پروگرام کے اختتام پر شریک ہوں۔ اس کے علاوہ دوسرے تمام زونز کے نقبائے اعلیٰ کو خصوصی طور پر شرکت کی دعوت تھی تاکہ وہ بھی اس تجربہ سے مستفید ہو سکیں اور اپنے اپنے زون میں تبلیغی کیمپ کے انعقاد کے وقت وہ اپنے اس تجربہ سے فائدہ اٹھا سکیں۔ کیمپ میں شریک رفقاء کو دو گروپس میں تقسیم کیا گیا۔ ایک گروپ کے ذمہ کیمپ میں آنے والوں کا خیر مقدم کرنا' ان کے سوالات کے جوابات دینا' ان کے اشکالات کو دور کرنے کی کوشش کرنا اور مکتبہ سے امیر محترم کے خاص خاص خطابات کے کیسٹس اور کتب کو متعارف کروا کے فروخت کرنا تھا۔ جبکہ دوسرے گروپ کے ذمہ پہلے مرحلہ میں علاقہ میں گھر گھر جا کر دستک دینا' لوگوں سے ملاقاتیں کر کے تنظیم کا تعارف اور اس کی دعوت پیش کرنا اور دوسرے مرحلہ میں علاقہ کی خاص خاص مساجد میں مکتبہ لگانا اور تنظیم کا لٹریچر تقسیم کرنا تھا۔

تقریباً دس بجے دو دو افراد پر مشتمل وفود تشکیل دیئے گئے جن میں سے ایک ایک کو امیر مقرر کیا گیا۔ وفود کی کل تعداد دس تھی۔ ساڑھے دس بجے سے وفود کی روانگی شروع ہوئی۔ روانگی سے قبل ہر وفد کو اس علاقہ کا ایک نقشہ دیا گیا جس میں اس بات کی نشاندہی کی گئی تھی کہ اس علاقہ کا کونسا حصہ اُن کے دائرہ کار میں ہے۔ یہ نقشہ زون نمبر۸ کے رفیق جناب اعجاز طفیل صاحب نے بڑی جانفشانی سے تیار کیا تھا۔ اس کے علاوہ تنظیم کی دعوت پر مشتمل مختلف لٹریچر فراہم کیا گیا جو کہ لوگوں میں تقسیم کیا گیا۔ وفود کی روانگی سے قبل محترم نسیم الدین صاحب امیر تنظیم اسلامی کراچی نے انہیں مندرجہ ذیل ہدایات دیں:

۱۔ سارے عمل کے دوران ادعیۂ ماثورہ اور ذکر الٰہی کا التزام ضروری ہے تاکہ ذہن اس

خالق حقیقی کی طرف متوجہ رہے جس کی رضا کے حصول کے لئے یہ سب کچھ کیا جا رہا ہے۔
۲۔ دروازہ پر دستک دے کر ایک جانب ہٹ کر کھڑے ہو جانا ہے اور اپنی نظروں کی حفاظت کرنی ہے۔
۳۔ سلام مسنون کے بعد وفد کے امیر کو لوگوں سے مختصر گفتگو کرنی ہے' جس میں تنظیم کا مختصر تعارف' دعوت اور طریقہ کار سمجھانا ہے۔
۴۔ بحث و مباحثہ سے مکمل اجتناب برتنا ہے۔ تفصیلی گفتگو کے لئے کیمپ پر پہنچنے کی درخواست کرنی ہے یا پھر کوئی خصوصی وقت لینا ہے' تاکہ بعد میں ملاقات کی جا سکے۔
۵۔ ان افراد کے مختصر کوائف نوٹ کرنے ہیں جو تنظیم سے کسی بھی طور پر دلچسپی کا اظہار کریں۔
۶۔ تنظیم کا تعارفی لٹریچر دینا ہے۔
۷۔ ۱۲ بجے دوپہر تک تمام وفود کو کیمپ میں واپس لوٹنا ہے۔

پورے علاقے میں گشت اور دعوتی ملاقاتوں کے بعد تقریباً سوا بارہ بجے تک سارے وفود کیمپ میں واپس آ گئے۔ اس کے بعد دوسرے مرحلہ کے لئے چھ نئے گروپس تشکیل دیئے گئے' جن کو علاقہ کی چھ جامع مساجد کے سامنے نماز جمعہ سے قبل سٹال لگانے تھے۔ یہ گروپ تین سے چار افراد پر مشتمل تھا جن میں سے ایک مقامی رفیق کو امیر مقرر کیا گیا۔ وفود کی روانگی کا منظر قابل دید تھا۔ کسی نے ٹیبل اٹھایا ہوا تھا' کسی کے سر اور کاندھوں پر کتابوں کے بنڈل تھے تو کوئی ٹی بورڈ لئے جا رہا تھا۔ ہر رفیق اپنی اپنی منزل پر جلد از جلد پہنچنے کے لئے بے چین تھا۔ الحمدللہ یہ مرحلہ بھی بخیر و خوبی گزر گیا۔ رفقاء نے مساجد کے دروازوں کے باہر سٹال لگائے۔ ہر سٹال پر ایک ٹی بورڈ بھی موجود تھا جس میں امیر محترم کے کتب و کیسٹس کے حصول کے لئے پتہ درج تھا۔ لوگوں نے ان سٹالز پر موجود تنظیم کے لٹریچر میں خاصی دلچسپی لی اور مختلف کتب کی خریداری بھی کی۔ یہ سٹالز نماز جمعہ کے بعد کچھ دیر تک لگے رہے اور حسب پروگرام رفقاء دوسرا مرحلہ مکمل کر کے پونے تین بجے تک کیمپ میں واپس آ گئے۔

آخر میں تقریباً تین بجے جناب نسیم الدین صاحب نے مختصر سا خطاب کیا جس میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا کہ جن مقاصد کے حصول کے لئے اس پروگرام کا انعقاد کیا گیا تھا وہ خاصی حد تک پورے ہوئے۔ تنظیم کا تعارف' اس کی دعوت اور طریقہ کار لوگوں میں عام ہوا۔ انہوں نے کہا کہ اللہ مسبب الاسباب ہے اور دعا فرمائی کہ وہ اس پروگرام کو اپنے دین کی

(باقی صفحہ ۸۷ پر)

امیر تنظیم اسلامی کے ۲۸ دسمبر کے خطبۂ جمعہ کا

پریس ریلیز

لاہور، ۲۸ دسمبر — امیر تنظیم اسلامی ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا ہے کہ ایسا شریعت بل بنانا ممکن نہیں جو تمام فرقوں کے لئے قابل قبول ہو۔ ایسی باتیں صرف شریعت سے جان چھڑانے کے لئے کی جاتی ہیں۔ ہمارے ہمسایہ ملک ایران نے جب شریعت کو نافذ کیا تو انہوں نے اپنے ملک کی اکثریت کی فقہ کو لاء آف دی لینڈ قرار دے کر سنیوں کو شخصی قوانین میں اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دی۔ تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ ہمارے لئے بھی اِس کے سوا کوئی راستہ نہیں کہ فقہ حنفی کے مطابق ملکی قوانین بنائیں اور شخصی معاملات میں ہر فرقہ کو اپنی فقہ کے مطابق عمل کرنے کی آزادی دیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ۲۷ اکتوبر کے انتخابی نتائج دیکھ کر قوم کو انقلاب کی خوشخبریاں سنانے والی دینی جماعتوں کو اب نفاذِ شریعت کے لئے مضبوط موقف اختیار کرنا چاہئے۔ امریکہ، سنگاپور اور ملائشیا کے دورے سے واپسی پر جامع القرآن ماڈل ٹاؤن میں نمازِ جمعہ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے تنظیم اسلامی کے امیر نے کہا کہ سندھی رہنماؤں کے بیانات سے اندازہ ہوتا ہے کہ سندھ کے حالات بہت خراب ہیں اور آنے والے مہینوں میں پھر کوئی دھماکہ خیز صورت حال پیدا ہو سکتی ہے۔ بھارت اور مقبوضہ کشمیر میں مسلمانوں پر ہونے والے مظالم کی تفصیلات بتاتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ وہ لیڈر جو بے نظیر کے دور حکومت میں صبح شام کشمیر اور افغان جہاد کی دہائی دیا کرتے تھے، اب خود حکومت میں آنے کے بعد اُن کی زبانوں پر تالے پڑ گئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ سرد موسم کی آمد کے ساتھ مقبوضہ کشمیر میں حریت پسندوں کے لئے حالات بہت نازک ہو گئے ہیں۔ دوسری طرف بھارت میں ہندو مت کے احیاء کی تحریک نے مسلمانوں کے لئے زندہ رہنا مشکل بنا دیا ہے۔

ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ستر برس قبل علامہ مشرقی کی خاکسار تحریک کے ردعمل میں ہندوؤں نے راشٹریہ سیوک سنگھ کی تحریک کا آغاز کیا تھا۔ آج وہ تحریک پورے عروج پر ہے جبکہ خاکسار تحریک کی چپ راست کی صدائیں زمانہ ہوا فضا میں تحلیل ہو گئیں۔ انہوں نے کہا کہ ضیاء الحق کے گیارہ سالہ دور میں قصر صدارت سے اسلام اسلام کی جو رٹ لگائی گئی اُس نے

بھارت میں ہندو مت کے احیاء اور نفاذِ اسلام کے جواب میں رام راج کی تحریک کو بڑی تقویت دی۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ ہم نعرے لگا کر سو جاتے ہیں اور دشمنوں کو بیدار کر کے منظم ہونے کے لئے کھلا میدان مہیا کر دیتے ہیں۔ انہوں نے کہا گزشتہ چوالیس برس میں ہم نے اسلام نافذ کرنے کی بجائے جاگیرداری کو تحفظ عطا کیا اور جو برلا اور ٹاٹا جیسے سرمایہ دار پاکستان بننے کے وقت یہاں موجود نہیں تھے اُن کے بھی باپ دادا پیدا کر دیئے۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ نفاذِ شریعت کے بغیر لوگوں کو معاشی انصاف ملنا بھی ممکن نہیں کیونکہ معاشی انصاف کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ وہ سودی معیشت ہے جس نے سرمایہ دارانہ جمہوریت کو جنم دیا ہے۔ اسلام سود کے خلاف اعلان جنگ کر کے اِس ظالمانہ اور استحصالی نظامِ معیشت کی جڑ کاٹ دیتا ہے۔ انہوں نے کہا کہ سودی نظام کے ساتھ معاشی انصاف اور فلاحی ریاست کا کوئی منصوبہ پروان نہیں چڑھ سکتا۔ دورۂ امریکہ کے تاثرات بیان کرتے ہوئے ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ امریکی رائے عامہ خلیج میں جنگ شروع کرنے کے سخت خلاف ہے' صرف امریکی یہودی' اسرائیل' سعودی حکومت اور بش انتظامیہ وہ چار عناصر ہیں جو جنگ شروع کر کے مشرقِ وسطیٰ کو جہنم بنانا چاہتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ امریکہ کے یورپی حلیف بھی جنگ شروع کرنے کے حق میں نہیں۔ ڈاکٹر اسرار احمد نے کہا کہ صدر صدام حسین نے ثابت کر دیا ہے کہ وہ لوہے کا ایسا چنا ہے جسے آسانی سے چبانا امریکہ کے لئے ممکن نہیں۔

کاشف عبداللہ
برائے ناظم نشر و اشاعت
تنظیم اسلامی

بقیہ : رفتارِ کار

دعوت کو عام کرنے کا سبب بنا دے' ہماری ان خامیوں اور کوتاہیوں سے درگزر فرمائے جو اس پروگرام کے دوران ہم سے سرزد ہوئیں' اور اس ضمن میں رفقاء نے جو محنت و کوشش کی ہے اسے اپنی بارگاہ میں قبول فرما کر اسے ہمارے لئے آخرت کی نجات و فلاح کا ذریعہ بنا دے۔ دعا کے بعد زون نمبر۸ کے علاوہ باقی رفقاء کو واپسی کی اجازت دے دی گئی۔ اس کے باوجود بعض رفقاء نے برضا و رغبت زون نمبر۸ کے رفقاء کے ساتھ باقی وقت بھی کیمپ میں گزارا۔ یہ کیمپ بعد نماز مغرب تک جاری رہا۔

(مرتب: محمد سمیع)

DO'NOT BETRAY THE REPOSED TRUST

QUIT

The Inherited Ritualistic Belief and Sectarianism

and

ACQUIRE

Real Iman (ایمان) by studying

HOLY QURAN

WHO

Would know the best,

HOW

to convince man?

of course, the ONE WHO created man

THE MESSAGE OF AL-MIGHTY

wrapped up in veils is waiting to answer all your QUESTIONS, clear all your DOUBTS and LEAD you to

TRUTH

منجانب : ایک بندہ خدا

اپنی پوری افادیت اور تاثیر کے ساتھ نزلہ زکام اور کھانسی کی مفید دوا

سُعالین

۲۵۰ قُرص کی اسٹینڈرڈ پیکنگ کے علاوہ پچاس ٹکیوں کا
کارآمد خوشنما گلاس پیک بھی دستیاب ہے۔

موسمِ سرما کی آمد۔ نزلہ، زکام اور کھانسی کا دور دورہ۔

سُعالین کا گلاس پیک آج ہی خرید لیجیے
تاکہ گھر کے ہر فرد کو بوقتِ ضرورت سُعالین دستیاب رہے۔

نباتاتی سُعالین ۔ ”کھانسی ٹکیاں“۔ بچاؤ بھی اور علاج بھی۔

ہمدرد

آوازِ اخلاق
قناعت: اخلاقی اور ملّی ضرورت ہے۔

Adarts SUA 1/30 R

ہم مغرب سے مقابلہ کرتے ہیں

....اور اُن ہی کی سرزمین پر!

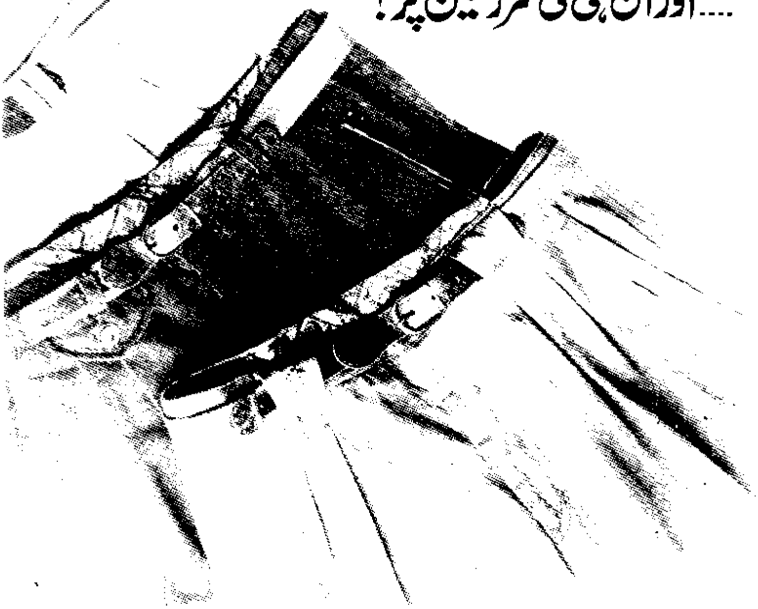

ہم اپنے گارمنٹس' بیڈلنن اور ٹیکسٹائل کی دیگر مصنوعات مغربی ممالک' اسکینڈی نیویں ممالک' شمالی امریکہ' روس اور مشرق وسطیٰ کے ملکوں کو برآمد کرتے ہیں اور ہماری برآمدات میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہے لیکن بیرونی منڈیوں میں اپنی ساکھ برقرار رکھنے کے لئے ہمیں انتھک محنت کرکے اپنی فنی مہارت اور معلومات میں مستقل اضافہ کرتے رہنا پڑتا ہے۔ ایسی محنت جو ہمیں ذرا کر دم نہیں لینے دیتی ایسی محنت جو ہماری کارکردگی کے معیار کو اور بلند کرتی ہے' ایسی محنت جو کوالٹی' ڈیزائن اور پابندیٔ وقت کے سلسلے میں کرم فرماؤں کے مطالبات اطمینان بخش طریقے پر پورا کرنے کا ہمیں اہل بناتی ہے۔

Made in Pakistan
Registered Trade Mark

Jawad

جہاں شرط مہارت
وہاں جیت ہماری

معیاری گارمنٹس تیار کرنے اور برآمد کرنے والے

ایسوسی ایٹڈ انڈسٹریز (گارمنٹس) پاکستان (پرائیویٹ) لمیٹڈ

IV/C/3-A ناظم آباد کراچی - 18 - پاکستان - فون 610220.616018-628209

کیبل "JAWADSONS" ٹیلیکس 24555 JAWAD PK فیکس 610522 (92-21)

MONTHLY
Meesaq
LAHORE

Regd.L.No 7360
VOL. 40 NO. 1
January 1991

انسٹنٹ
جوھر جوشاندہ

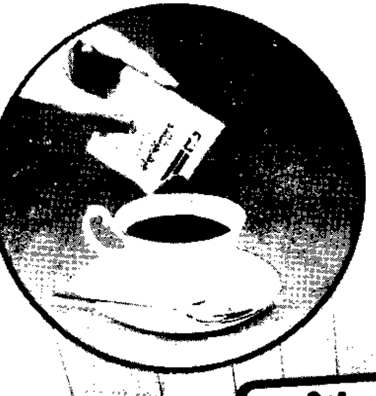

فلو، نزلہ، زکام اور گلے کی سوزش کے لیے مفید

صدیوں سے آزمودہ **جوشاندہ** اب فوری حل ہونے والے
انسٹنٹ **جوھر جوشاندہ** کی شکل میں۔
خاندان کے ہر فرد کے لیے مفید **جوھر جوشاندہ** فلو، نزلہ،
زکام کی علامات میں آرام پہنچاتا ہے۔
موسمی اثرات سے محفوظ رہنے کے لیے **جوھر جوشاندہ**
احتیاطی تدبیر کے طور پر استعمال کریں۔
ترکیب استعمال: ایک کپ گرم پانی یا چائے میں ایک پیکٹ
جوھر جوشاندہ ملائیں اور جوشاندہ تیار
دن میں دو یا تین پیکٹ

تحقیق کی روایت
معیار کی ضمانت